لقاء اللہ

(اللہ سے ملاقات)

تالیف : حسن مصطفوی

ترجمہ : سید نیاز محمد ہمدانی

ZAHOOR KAZMI

مجلس تعلیم القرآن

વકફ

આ કિતાબ હાજી મહંમદઅલી ભાઈ અલીભાઈ સુંદરજી ''સોમાસોક'' તનનારીવ માડાગાસ્કરવાળા તરફથી તેમના મરહુમ સગાવહાલાઓની રૂહોના સવાબ અર્થે વકફ કરવામાં આવેલ છે.

લાભ લેનાર ભાઈ - બહેનો મરહુમોની અરવાહોના સવાબ અર્થે એક સુરએ ફાતેહા પઢી બક્ષી આપે એવી નમ્ર અરજ છે.

لقأ اللہ

(اللہ سے ملاقات)

تالیف

حسن مصطفوی

ترجمہ

سیّد نیاز محمد ہمدانی

کتاب ——— لقاء اللہ
تالیف ——— حسن مصطفوی
ترجمہ ——— سیّد نیاز محمد ہمدانی
ناشر ——— مجلس تعلیم القرآن
تعداد ——— ایک ہزار
بار ——— اوّل
قیمت ———

فہرست مندرجات

باسمہ تعالیٰ

الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علی عبدہ ورسولہ الکریم سیدنا ومولٰنا ابی القاسم محمد والہ الطیبین الطاہرین المعصومین۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر خدا پرست اور خدا خواہ اور شیطان اور شیطنت سے نفرت کرنے والا پیدا کیا ہے۔ اور اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ یس - ۶۱-۶۲

ترجمہ: اے اولاد آدم کیا تمہارا مجھ سے یہ عہد نہیں ہوا ہے کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو گے کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرو گے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

دوسری طرف سے معاملہ کچھ اس طرح سے ہے کہ شیطان جو کہ انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے وہ بھی بھرپور انداز سے انسان کو صراط مستقیم سے منحرف کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے اور اپنے اس پروگرام کا اعلان اس نے اسی وقت کر دیا تھا جب اسے انسان سے حسد کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کرنے پر بارگاہ قرب سے دھتکار دیا گیا تھا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ اعراف ۱۶-۱۷

ترجمہ:۔ (شیطان نے کہا) اے رب چونکہ تو نے مجھے میری راہ سے ہٹایا میں

ضرور تیری مقرر کی ہوئی صراط مستقیم پر ان کو گمراہ کرنے کے ئے بیٹھ جاؤں گا اور پھر میں ان کے آگے پیچھے ، دائیں اور بائیں سے ان پر حملہ آور ہوں گا اور تو دیکھ لے گا کہ ان میں سے اکثریت تیری شکر گزار نہیں ہوگی۔

لیکن انسان کو گمراہ کرنے کی غرض سے ہر طرف سے اس پر حملہ آور ہونے والے شیطان نے یہ بھی کہہ دیا کہ تیرے بندوں میں سے جو خالص تیرے ہوں گے وہ میرے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ ص۔ ۸۲۔ ۸۳

ترجمہ:۔ اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکا دوں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ اگر انسان شیطان کے حملوں اور اس کے گمراہ کن ہتھکنڈوں کے شر سے محفوظ رہنا چاہتا ہو تو اخلاص کی وادی میں آجائے۔ اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ کا بنا دے۔ خالصتہ " اللہ کا ہو جائے۔ لیکن اس منزل پر فائز ہونے کے لئے بڑی محنت اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جو لوگ سچی لگن سے اس منزل کی طرف بڑھتے ہیں اللہ تعالٰی بھی ضرور ان کی مدد کرتا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ عنکبوت۔ ۶۹

ترجمہ:۔ اور جن لوگوں نے ہماری (محبت) میں جدوجہد کی ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھا دیں گے۔

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ یہ گوہر گراں بہا محنت اور جدوجہد یا بالفاظ دیگر جہادِ اکبر کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔ اس جہاد میں انسان کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟ ان مراحل کی ترتیب کیا ہے؟ ان کی مشکلات کس نوعیت کی ہیں؟ ان مشکلات پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟ ہر مرحلہ کی کامیابی سے تکمیل کے آثار اور علامات کیا ہیں؟ ان تمام سوالات کا جواب زیر نظر کتاب میں آپ کو مل جائے گا۔ یہی اس کتاب کا مقصد ہے اور اسی سے اسکی اہمیت ہے۔

اللہ تعالٰی ہم سب کو اخلاص کی دولت سے مالا مال کر دے تاکہ ہم شیطان اور اسکی شیطنت کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔ انسانیت سے دور انسان اور اسلام سے دور مسلمان کی تمام پریشانیوں ، اضطرابات اور بحرانوں کا صرف اور صرف یہی علاج ہے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ الطیبین الطاہرین المعصومین۔

سید نیاز محمد ہمدانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ علی محمد والہ الطاہرین والحمد للہ رب العالمین

گذشتہ ایام میں ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق لقا اللہ کے عالیقدر موضوع سے متعلق آیات کریمہ' روایات شریفہ اور ادعیہ مبارکہ کو جمع کر کے عربی زبان میں اس موضوع پر ایک رسالہ سپرد قلم کیا تھا۔

اگرچہ یہ موضوع اور اس کی معرفت معارف الٰہی میں بہت اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور یہ قاصر' جاہل اور محجوب بندہ ایسے مقام کا اہل نہیں ہے تاہم ان مطالب سے انس' ان کے کثرت سے ذکر ومذاکرہ اور ان سے شوق کے سبب اپنی محدود معلومات کی حدود میں رہتے ہوئے وہ کلیات جنہیں ہم نے درک کیا اور جن پر یقین تھا' اپنے عاجز اور قاصر بیان سے مختصر وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

اس رسالہ کی تالیف میں ہم نے اس امر کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ دوسروں کی تحریروں اور اساتذۂ بزرگ کے بیانات کی تقلید اور اتباع نہ کریں بلکہ جو کچھ ہم نے خود دریافت کیا ہے اور حق الیقین کے طور پر دیکھا ہے' صرف اسی کا اظہار کریں۔

لہٰذا اس رسالہ کی تالیف میں ہمارے مقاصد یہ ہیں:-

۱۔ اس عالی قدر موضوع سے تعلق رکھنے والی آیات الٰہی اور اولیاء حق جو منزل وحی اور علم کے خازن ہیں' کے ارشادات کی یاد آوری اور ان آیات وروایات کے مفاہیم کی وضاحت۔

۲۔ مومن' بلکہ سعادت وکمال کے خواہشمند افراد کا سعادت وکمال کی حقیقت اور خصوصیات کی طرف متوجہ ہونا۔

۳۔ سلوک اور مراحل کمال کو طے کرنیکی خصوصیات اور کیفیت کی طرف متوجہ ہونا تاکہ سلوک صحیح طور پر انجام پائے اور ثمر بخش ہو۔

۴۔ انحراف' خطا' اشتباہ اور گمراہی سے بچاؤ کی خاطر منازل سیروسلوک

ترتیب اور خصوصیات کی وضاحت۔

۵۔ ان منازل میں سے ہر منزل کی علامات اور آثار کو بیان کرنا تاکہ سالک ان منازل کو، جنہیں وہ اپنے خیال کے مطابق طے کر چکا ہے اور جس منزل پر اب ہے، اچھی طرح سے پہچان سکے۔

۶۔ علم اخلاق کے اصول ومبانی اور معارف الٰہی کے بعض کلیات کا بیان، جن کی طرف متوجہ ہونا ہر مومن کے لئے لازم ہے۔

چونکہ اس رسالہ شریفہ کے بعض مطالب علم ومعرفت کی اعلیٰ سطح سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا اگر قارئین محترم کو کہیں کوئی پیچیدگی یا مشکل پیش آجائے تو اپنی سمجھ کے مطابق اسکی تاویل اور تشریح کرنیکی بجائے ضروری ہے کہ اہل معرفت کی طرف رجوع فرمائیں۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کمال صدق وصفا، خلوصِ نیت اور طہارت کے ساتھ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق کی استدعا کی جائے۔

بے شک وہی بہترین توفیق دینے والا اور بہترین مدد گار ہے۔

قم۔ حسن مصطفوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلواۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبین ابی القاسم محمد والہ الطاہرین اللھم ایاک نعبدو ایاک نستعین اھد نا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

یہ رسالہ ان منازل کی خصوصیات کے بیان میں ہے جو مقام القاء اللہ تک جا پہنچتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان منازل میں سے ہر منزل کے آثار اور علامات اور منزلِ لقا پر پہنچنے کے بعد کے حالات وخصوصیات بھی اس رسالہ میں بیان کئے جائیں گے۔ جو مطالب اس رسالہ میں مذکور ہیں وہ سو فیصد مسلم، یقینی، مبنی برحق، قرآنی آیات اور احادیث معصومین علیہم السلام کے مطابق ہیں۔ **رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي**: (اے میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے)

کلمہ لقا۔ لغت کی روشنی میں

۱۔ مصباح فیومی میں ہے: **لَقِيْتُهُ اَلْقَاه تَعِبَ** کے باب میں سے ہے اور اس کا مصدر لُقِیاً اور لِقَاءً ہے۔ اور ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے مقابل آجائے یا اس کے روبرو ہو تو اس نے اس سے ملاقات کرلی۔

۲۔ تہذیبِ ازہری کے مطابق ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے مقابل آجائے یا اس کے روبرو ہو تو اس نے اس سے ملاقات کرلی اور یہ معنی تمام اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔

۳۔ مقاییس ابن فارس کے مطابق دو متقابل چیزوں کی ملاقات کو لقاء کہتے ہیں۔ پس لقاء ملاقات کی طرح بابِ مفاعلہ کا مصدر ہے اور اسکے معنی ایک دوسرے تک پہنچنا، ایک دوسرے کے مقابل ہونا اور روبرو ہونا ہیں۔ ملاقات کے یہ معنی عالمِ

اجسام میں واضح ہیں جیسا کہ دو افراد کا ایک دوسرے سے ملنا اور روبرو ہونا لیکن عالمِ روحانی میں اور اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ ملاقات معنوی اور روحانی صورت میں ہو گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی حدود، خصوصیات اور اوصاف سے منزہ ہے۔

لقاء اللہ:

موجوداتِ عوالمِ خلق میں تین قسم کی حدود پائی جاتی ہیں۔

۱۔ مادی حدود: مادی اجسام میں یہ حد موجود ہے۔ جمادات نباتات اور حیوانات کے تمام افراد کی آزادیٔ عمل ان کی طبعی اور مادی حدود میں محدود ہوتی ہے۔ یہ مادی اجسام اپنی مادی طبیعت کے تقاضوں سے زائد عمل انجام دینے کے لئے اپنی طبعی توانائی اور صلاحیتوں کے دائرے کو وسعت نہیں دے سکتے اور ایک مادہ پرست انسان اپنی مخصوص مادی طاقت اور استعداد کے اندر رہتے ہوئے ہی کام اور ترقی کر سکتا ہے اور اپنے مادہ کو اپنے سے بلند تر قوتوں سے تقویت نہیں پہنچا سکتا۔

۲۔ زمان ومکان کی حدود: یہ حد بھی تمام اجسام میں پائی جاتی ہے، خواہ وہ اجسام لطیف ہوں یا کثیف، اس لئے کہ ہر جسم اپنے وجود میں زمان ومکان کا محتاج اور ان دو حدود میں محدود ہوتا ہے اور مکان وزمان کے مفہوم کے اختلاف سے اس حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پس ہر جسم زمان ومکان کی خصوصیات اور حدود میں محدود ہوتا ہے۔

۳۔ ذاتی حدود: ذات اور وجود کے لحاظ سے تمام ممکنات اور وجود کے تمام مراتب، خصوصاً عالمِ عقول میں، اسی حد میں محدود ہیں۔ اگرچہ عقول جسمانی حدود میں محدود نہیں ہیں لیکن ذاتی طور پر اپنی پیدائش اور وجود کے لحاظ سے محدود ہیں۔

اور انسان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ روحانی تربیت اور طرز عمل، اور تکمیل نفس کے نتیجے میں جسمانی حدود سے باہر نکل کر حتیٰ کہ اپنی ذاتی حدود کو بھی پیچھے چھوڑتے ہوئے عالمِ لاہوت میں غرق اور فنا ہو جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر لقاء اللہ وقوع پذیر ہوتی ہے اور انسان اس آیت کا مصداق بن جاتا ہے:

يَاأَيَّتُهَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ فجر: ۲۸۔ ۳۰

(اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف لوٹ جا، اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا)

اس رسالہ میں ہماری بحث اس الٰہی سفر کی منازل کی خصوصیات کے بارے میں ہے تاکہ سالک منزلِ لقا تک پہنچ جائے۔ البتہ ہماری گفتگو ان لوگوں سے ہے جو ان مراحل کی طرف متوجہ ہیں اور لقا اللہ پر اعتقاد کے علاوہ اس میں دلچسپی اور شوق رکھتے ہیں۔ لیکن جو اس کے مخالف اور منکر ہیں ان کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لقاء اللہ کا انکار (کفر)

بحث کا یہ حصہ سیرِ سالکین کے مراحل میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس راہ کی مخالف سمت سے ہے۔ لیکن چونکہ اشیاء اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں لہٰذا اس حصہ کی خصوصیات کی وضاحت مراحل سلوک میں بہت مددگار ثابت ہوگی۔ اس ضمن میں چند آیات کریمہ، جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، ان کے معنی بھی واضح اور منکشف ہو جائیں گے۔

اس حقیقت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ کفر اور انکار کے کئی مراتب ہیں۔

۱۔ آیات، تکوینیہ اور لقاء کا انکار:

یہ مکمل حیوانیت جہل اور محجوبیت کا مرتبہ ہے اس لئے کہ انسان کی بیداری اور حرکت کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ رب العالمین کی تکوینی آیات 'آثار اور علامات کی طرف توجہ کرے' جو ایک کامل نظم وحکمت' تدبیر وعقل اور فکر سے بھرپور ہیں۔

جب انسان مکمل غفلت اور جہالت اور مادی ودنیوی زندگی میں غرق ہو کر آیاتِ الٰہی کے جلووں اور آثار سے غافل ہو جائے تو ناچار مبدا اور معاد کا انکار کرتے ہوئے لقا اللہ کا بھی منکر ہو جائے گا۔ اس بات کی تائید مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیَاتِ اللّٰہِ وَلِقَائِہٖ اُولٰئِکَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَاُولٰئِکَ لَھُمْ عَذَ ابٌ اَلِیْمٌ۔ (اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور لقاء کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو گئے اور ان کے لئے المناک عذاب ہے) سورہ عنکبوت: ۲۳

قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالاً اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعاً اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِآیَاتِ رَبِّھِمْ وَلِقَائِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (اے رسولؐ کہہ دیجئے آیا میں تمہیں ان لوگوں کی خبر دوں جو عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیوی زندگی میں بھٹک گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اسکی ملاقات کا انکار کیا پس ان کے تمام اعمال برباد ہوگئے) کہف: ۱۰۳' ۱۰۴

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا وَلِقَاءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ

(اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال برباد ہوگئے) اعراف ۱۴۶

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا وَلِقَاءِ الْاٰخِرَۃِ فَاُولٰئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (اور وہ

لوگ جو ہماری آیات (نشانیوں) اور آخرت کی لقاء کے انکار اور تکذیب کے مرتکب ہوئے تو وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے) روم:۱۶

پس چونکہ یہ لوگ مکمل طور پر کائنات کے خالق سے ناطہ توڑے ہوئے ہیں لہٰذا انہیں اس کے خصوصی الطاف اور رحمات کی توقع بھی نہیں کرنا چاہئے جو کہ عمومی الطاف اور رحمات کے علاوہ اور ان سے زائد ہیں۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے:

الف۔ چارونا چار اللہ تعالیٰ کی رحمات خاصہ سے مایوس ہوتے ہیں۔

ب۔ سلوک الی اللہ سے محرومیت اور اپنے اعمال کے باعث عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ج۔ ان کی تمام گزشتہ کوششیں اور اعمال بے ثمر ہو جاتے ہیں۔

د۔ ان کی نیکیاں نیت کے فقدان اور دوسرے برے اعمال کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہیں۔

اور یہ ایک عام اصول ہے کہ ہر وہ عمل جو اچھی نیت اور اچھے مقصد کے ساتھ وابستہ نہ ہو اس کی قدر وقیمت زائل ہو جاتی ہے اگر کوئی عمل اچھا ہو تو اس کا معنوی اور روحانی مقصد نہ ہونے کی وجہ سے دنیوی اور مادی نیت کی حدود کے مطابق دنیا میں اسکا بدلہ مل جاتا ہے۔

جی ہاں! مادہ پرست اور حق کے منکر افراد کا مقصد اور نیت صرف دنیوی فوائد اور مادی اغراض ہوتی ہیں۔

الاعمال بالنیات لکل امرء مانوی ۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اسکی نیت ہوگی۔

۲۔ لقاء کا انکار

اس مرحلہ پر کفر اور انکار گزشتہ مرحلہ کی نسبت ضعیف اور کمزور ہوتا ہے۔

یہاں انسان اجمالی طور پر آیات تکوینی اور آثار الٰہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور کائنات اور اہل کائنات کے تدبیر اور عقل و حکمت سے ہم آہنگ نقوش اور نظمِ کائنات سے آگاہ ہوتا ہے۔ لیکن ابھی تک انسان کے سفرِ زندگی کی حقیقت، عالم مادہ کی حرکت اور اس کے فنا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور دوسرے جہان یعنی قیامت اور معاد، ایک روحانی اور لطیف عالم، انسان کے باطن کے ظہور اور اعمال، اخلاق، صفات، اعتقادات اور نفسانی اور روحی افکار کے عیاں اور منکشف ہونے سے غافل ہوتا ہے۔

اس طرف بھی ضرور توجہ ہونی چاہیئے کہ ہر حرکت کے لئے دو جہات کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ابتدا اور علتِ فاعلی کی جہت، دوسری انتہا اور علت غائی کی جہت۔ اور یہ بات اجمالی طور پر قطعی اور مسلم ہے۔

اور جب اس حیرتناک نظم سے بھرپور کائنات کے مبدا کی پہچان ہو گئی تو ناچار اس حرکت اور سفر کا انجام اور انتہا اور بازگشت بھی اسی کی طرف ہونی چاہیئے تاکہ اختلال، بے نظمی، اختلاف اور تضاد رونما نہ ہو۔ اس صورت میں برگشت بھی اس کی طرف ہو گی۔ لیکن جب تک ایمان اس مرتبہ تک نہیں پہنچے گا اس وقت تک اس سیر اور حرکت کے انجام اور معاد سے غفلت یا انکار اور کفر بھی موجود رہیں گے۔ اور اگرچہ اس مرتبہ پر کچھ نہ کچھ حرکت ضرور رونما ہوتی ہے اور ایک قدم معاد اور لقا کی طرف اٹھ چکا ہوتا ہے لیکن لقا کے انکار کا عنوان اس صورت میں بھی اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰہِ حَتّٰی اِذَا جَاءَتْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا وَھُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَھُمْ (یقیناً ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ موت کی گھڑی اچانک ان پر آپہنچی تو انہوں نے کہا ہائے ہماری حسرت اس کوتاہی پر جو ہم سے سرزد ہوئی اور وہ اپنے بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے) انعام: ۳۱

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰہِ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ (یقیناً ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے)۔ یونس: ۴۵

مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّھِمْ لَکٰفِرُوْنَ (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق اور ایک مقررہ وقت تک کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں) روم: ۸

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ ھُمْ بِلِقَاءِ رَبِّھِمْ کٰفِرُوْنَ (اور انہوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو گئے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کرنے والے ہیں) السجدہ: ۱۰

لقاء اللہ کا فر اور منکر ہونے کے سبب ان کے کفر و انکار کے برے نتائج ضرور ان کے دامنگیر ہوں گے جو یہ ہیں۔

الف۔ خسارت اور زیان: چونکہ یہ لوگ لقاء اللہ کی راہ میں نہیں ہیں لہٰذا حق وکمال کے سفر کی راہ میں یہ لوگ کلی خسارات کا سامنا کریں گے۔

ب۔ حسرت اور افسوس: لقاء اللہ کے سفر سے تعلق رکھنے والے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی اور اس سعادتِ عظمٰی سے محرومی پر حسرت اور افسوس انکا مقدر ہوگا۔

ج۔ خطاؤں کا سنگین بوجھ: اس الٰہی سفر سے دور رہنے کے نتیجے میں رونما ہونے والی خطائیں اور لغزشیں بہت سنگین بوجھ بن کر ان کے کندھوں پر آن پڑیں گی۔

د۔ گمراہی اور انحراف: یہ لوگ ہمیشہ راہ حق اور مراحلِ سعادت سے دور رہتے ہیں۔

ہ۔ نتیجہ خلقت سے غفلت: یہ لوگ اس کائنات کی خلقت کے نتیجہ اور کائنات میں موجود نظم کی غرض وغایت سے غافل رہتے ہیں۔

جی ہاں! یہ عظیم کائنات اور اسقدر حیرت انگیز نظم، یہ آسمانوں اور ستاروں

کا وسیع دریا' یہ سب اللہ تعالی کے جمال وجلال کے سامنے تسبیح کرتے ہوئے اور حالت سجدہ میں اسکی طرف رواں دواں ہیں اور اسکی لقا کے لئے اشتیاق سے قدم بڑھا رہے ہیں۔ **وللہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰواتِ الْاَرْضِ طَوْعًا و کَرْھًا** (جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اختیار اور مجبوری سے اللہ کو ہی سجدہ کرتے ہیں) رعد ۱۵

۳۔ لقاء اللہ سے غفلت:

اگرچہ غفلت اور کفر میں فرق ہے لیکن عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں۔ جب انسان کسی چیز سے غفلت اور بے اعتنائی کرتا ہے تو لازمی طور پر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے متعلق کوئی مثبت اور موثر عمل بھی انجام نہیں دے سکتا اور عملی طور پر اس میں اور کفر میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

پس غافل 'لا ابالی' ست اور کاہل افراد اگرچہ مسلمان شمار کئے جاتے ہیں لیکن نتیجہ کے اعتبار سے یہ اور کفار یکساں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے غافلین کا تعارف کراتے ہوئے انہیں بدترین اور حقیر ترین صورت میں پیش کیا ہے۔

اُولٰئِکَ کَالْاَنعامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ هُمُ الْغافِلُوْنَ (یہ لوگ چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں) اعراف ۱۷۹

یَعْلَمُوْنَ ظاهِراً مِنَ الْحَیاةِ الدُّنیا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ غافِلُوْنَ (یہ دنیوی زندگی کے کچھ ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ آخرت سے غافل ہیں) روم ۳۰

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسابُهُمْ وَهُمْ فِی غَفْلَةٍ مُعْرِضُوْن (لوگوں کے لئے ان کا حساب قریب آچکا ہے اور وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں) انبیاء۔ ۱

اِنَّ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقائَنا وَرَضُوْا بِالْحَیاةِ الدُّنْیا وَاطْمَاَنُّوْبِها وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ آیٰتِنا غافِلُوْن اُولٰئِکَ مَاْوٰهُمُ النّار (جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور دنیوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ان کا ٹھکانہ آگ

ہے) یونس ۷

قَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقائَنا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَیْرِ هٰذا اَوْبَدِّلْہ (جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے انہوں نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل ڈالو) یونس: ۱۵

وَقالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقائَنا لَوْلا اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلائِکَۃُ اَوْنَرٰی رَبَّنا لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِی اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوّاً کَبِیْراً (اور جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوئے یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے وہ اپنے بارے میں استکبار (احساس برتری) میں مبتلا ہو گئے اور حد سے گزر گئے) فرقان ۲۱

اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْواً وَلَعِباً وَغَرَّتْهُمُ الْحَیاةُ الدُّنْیا فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُم کَما نَسُوا لِقاءَ یَوْمِهِمْ هٰذا وَما کانُوا بِآیاتِنا یَجْحَدُوْنَ۔ (جن لوگوں نے اپنے دین کو لہوولعب بنا لیا اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکا دیا تو آج ہم انہیں بھول جائیں گے جیسا کہ وہ اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے اور اس لئے کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے) اعراف ۵۱

یہ آیات شریفہ 'غفلت' نسیان' لقا کی امید نہ رکھنے' نزول ملائکہ اور دیدارِ خدا کی توقع اور دین میں لہوولعب جیسے قرائن کی وجہ سے غیر کافر افراد سے تعلق رکھتی ہیں۔

غفلت تذکر کے مقابل اور اسکے نہ ہونے کا نام ہے جبکہ نسیان اس چیز کو بھولنے یا اس سے غفلت کا نام ہے جو پہلے یاد تھی اور رجا کسی ممکن الحصول اچھی چیز کے حاصل ہونیکی طمع کا نام ہے۔

مادی اور ظلمانی دنیوی زندگی سے تعلق رکھنا' نورانی اخروی زندگی کے مقابل اور متضاد ہے جیسا کہ دنیا پر نفس کا راضی اور مطمئن ہونا' "**وَرَضُوْا بِالْحَیاةِ الدُّنْیا وَاطْمَاَنُّوْا بِها**" نفس کے نورانی الٰہی زندگی پر مطمئن ہونے کے مقابل ہے۔

۱۔ اور دنیوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے۔

يَاَيَّتُهَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي اِلٰى رَبِّكِ[1]

پس دنیوی زندگی کی طرف مائل اور اس پر مطمئن ہونا' انسان کو لقا اللہ کی طرف مائل ہونے سے محروم کر دیتا ہے اور اخروی زندگی اور لقا اللہ سے غفلت اور نسیان اللہ تعالیٰ سے غفلت کا موجب اور سبب ہوتے ہیں اس لئے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کا سبب ہی موجود نہیں ہوتا اور غافل انسان اپنے اختیار سے اخروی زندگی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ **فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا۔ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُعْرِضُونَ۔** پس آج ہم انہیں بھلا دیں گے جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا--- اور وہ غفلت میں روگردان ہیں پس غفلت کے مندرجہ ذیل برے نتائج برآمد ہوتے ہیں:

الف۔ غفلت انسان کو انسانیت کے بلند مقام سے 'حیوانیت سے بھی پست مقام پر پہنچا دیتی ہے۔

ب۔ جس قدر دنیوی زندگی سے لگاؤ زیادہ ہو گا اسی قدر اخروی زندگی میں پسماندگی کا باعث ہو گا۔

ج۔ آیات سے غفلت اور لقا کی امید نہ رکھنا عذاب کا سبب ہے۔

د۔ لقا سے غفلت، خود بینی 'استکبار اور طغیان کا سبب بنتی ہے۔

ہ۔ لقاء کی امید نہ رکھنا دین کو بازیچہ بنانے اور اس پر اعتراض کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

جی ہاں! جو شخص نور' روحانیت اور نورانیت کی دنیا سے مکمل طور پر بے تعلق ہو وہ صرف مادی دنیوی زندگی کو ہی قدر و منزلت اور عظمت کا معیار بنا دیتا ہے اور چونکہ وہ اپنے آپ کو پہلے مرتبہ پر پاتا ہے' للذا ہر چیز سے زیادہ اپنی ذات سے محبت کرتا ہے اور اسکا لازمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بینی اور خودستائی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر دین اور ماوراء مادہ ہر چیز کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ کفر اور غفلت کے ان تین مراحل میں

[1] اے نفس مطمئن اپنے رب کی طرف پلٹ جا

انسان سعادت اور کمالِ حقیقی کے ہر قسم کے مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ایسے انسان کی زندگی کا انجام ہر قسم کی تہی دستی اور مکمل فقر کی صورت میں ہو گا اور وہ غیر مادی عالم کی تمام روحانی لذتوں ' نعمتوں اور رحمتوں سے محروم اور بے بہرہ ہو گا۔

حق و ایمان کی جستجو -- لقاء اللہ کے سفر کا پہلا مرحلہ

انسان کے اس سفر کا پہلا قدم توجہ اور تنبہ ہے اور اسکا انجام لقا اللہ ہے۔ اس راہ میں سالک کو پانچ مراحل درپیش ہوتے ہیں جنہیں طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قیامت کی طرف توجہ کرنا اور ان پر ایمان رکھنا۔

۲۔ مختلف راہوں سے لوٹ کر آنا' توبہ کرنا اور اوامرِ الٰہی کی اطاعت کی راہ پر چلنا۔

۳۔ تہذیب و تزکیہ نفس کے ذریعے مستعد اور تیار ہونا۔

۴۔ انانیت (خود پسندی) کا مٹ جانا اور عظمت حق کے سامنے حالتِ فنا کا حاصل ہو جانا۔

۵۔ معاشرے میں الٰہی فرائض کی انجام دہی کے لئے مستعد اور تیار ہونا۔

اس منزل پر سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات اور عجیب و غریب نظم اور حیرت انگیز موجودات میں اس کا کچھ کھویا ہوا ہے اور وہ اپنے پاکیزہ اور روشن ضمیر کی آواز پر اپنی کھوئی ہوئی دولت کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے سوال کرتا ہے:

کیا یہ گوناگون اور رنگارنگ کی موجودات خود بخود پیدا ہو گئی ہیں؟

کیا یہ پرکشش تصویر اور یہ انتہائی کامل نظم خود بخود رونما ہوئے ہیں؟

کیا یہ سب ستارے کسی قدرت اور موثر طاقت سے وابستہ نہیں ہیں؟

کیا خود انسان ' اسکی قوتیں ' اس کے اعضاء اور اس کے مختلف نظام ' کسی حکیم مدبر کے بغیر وجود میں آئے ہیں؟

کیا عالمِ طبیعت میں یقینی طور پر پائے جانے والے انتہائی کامل اسباب و نتائج اور خواص و آثار ' ان اشیاء میں ذاتی طور پر موجود ہیں؟

کیا یہ کائنات کسی عقل ' حکمت اور قدرت کی محکوم اور اسکے سامنے خاضع نہیں ہے؟

اگر یہ کسی حکم کی پابندی نہیں ہے تو پھر اس کے نظم وضبط اور چلنے کے انداز میں کوئی اختلاف ' مخالفت اور تغیر و تبدل کیوں رونما نہیں ہوتا؟

اور اسی قسم کے سینکڑوں دوسرے سوال اس کے سامنے آتے ہیں اور وہ غور و فکر کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔

جس قدر اس کے فکر و اندیشہ میں گہرائی آتی ہے ' جس قدر کائنات کے موجودات اور وجود کے مراتب کے بارے میں اسکی تحقیق میں وسعت پیدا ہوتی ہے وہ اس حقیقت کو عیاں ہوتے دیکھتا ہے کہ اس نظمِ کامل کے پس پردہ ایک عقلِ کُل ' ایک غیر متناہی اور لامحدود فکر ' علم ' قدرت اور ارادہ کارفرما ہے۔ یہاں اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جہان کا کوئی خالق ہے اور یہ سب کچھ اس کے حکم و تدبیر اور امر و نظر کے تحت وجود میں آیا ہے اور قائم ہے۔اس مرحلہ پر وہ کفر و ضلالت کے بھنور سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو نسیمِ رحمت اور جلوہ ہدایت و سعادت کے سامنے پاتا ہے۔

اس مقام پر وہ لقاء اللہ کے سفر کا آغاز کر کے پہلا قدم اٹھا چکا ہوتا ہے اور بھرپور اشتیاق کے ساتھ مزید تحقیق اور پہلے کی نسبت زیادہ کامل قرب ' آشنائی اور معرفت حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا

يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (جو اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو یقیناً اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور جو بھی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے اور اللہ تمام عالمین سے بے نیاز ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہم ان کی خطاؤں کو بخش دیں گے اور انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے) عنکبوت ۔ ۵ ۔ ۷

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ۔ (ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کے اپنے اندر دکھائیں گے حتی کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے اور آیا کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز پر شاہد ہے۔ آگاہ رہو! یہ اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ آگاہ رہو وہ ہر چیز پر محیط ہے) فصلت ۵۳ ۔ ۵۴

اور اس مقام پر پہنچنے کے بعد قہراً" انسان میں یہ تمنا پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ اپنے پروردگار کا قرب اور اسکی معرفت حاصل کرے اور مقامِ لقا اللہ تک پہنچنے کے اسباب فراہم کرے۔

ان دو آیاتْ میں سالک کے سفر کے بارے میں چند چیزوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔

۱۔ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ:۔ "اللہ کا مقرر کردہ وقت آنے والا ہے" لہٰذا اس راہ میں جلد بازی اور عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے اور آداب و شرائط کی سختی سے پابندی کئے بغیر پیشرفت کرنے کا خیال تک بھی پیدا نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر سیر و سلوک کا پروگرام صحیح طرح سے عملی جامہ پہن لے تو یقینی طور پر مقررہ وقت پر لقاء اللہ کی منزل آجائے گی۔

۲۔ سالک کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سمیع، علیم اور محیط ہے۔ کوئی حرکت، عمل اور قدم چاہئے کتنے ہی چھوٹے کیوں نہ ہوں اس پر پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

۳۔ سالک کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور سالک کی تمام محنت جدوجہد اور کوشش خود اس کے فائدے کے لئے ہے۔

۴۔ اس راہ میں جو اعمال صالح انجام دیئے جاتے ہیں وہ گزشتہ خطاؤں کو محو کر دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سالک کو توفیق اور مدد عطا فرمائے گا اور اپنی نئی نشانیاں اور جلوہ ہائے حقیقت دکھا کر اسکی رہنمائی کرے گا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ سالکین کے اعمال اور مجاہدات کے بدلے میں ان کے اعمال و مجاہدات کی قدر و قیمت سے بڑھ کر جزا دے گا۔

۷۔ لقاء اللہ کی امید رکھنے والے سالکین کے دل میں لقاء اللہ کے وقوع سے متعلق شک و تردید پیدا نہیں ہونے چاہئیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ شاہد اور محیط ہے اور ہرگز غافل نہیں ہے۔

جی ہاں! اللہ تعالیٰ کسی عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا اور چاہے کوئی عمل کتنا ہی ناچیز ہو، اسکا اجر ضرور عطا کرتا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا عمل اور انتہائی چھوٹی حرکت بھی اس سے پنہاں اور پوشیدہ نہیں رہ سکتے، وہ انسان کی نیت اور ارادے کے مطابق ہر عمل کا اجر عطا کرتا ہے۔

پس جو بھی لقاء اللہ کی منزل تک پہنچنے کا ارادہ لیکر کوئی عمل انجام دے یا کوئی قدم اٹھائے تو قطعی طور پر اپنی کوشش کے متناسب نتیجہ ضرور حاصل کرلے گا بلکہ وہ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ہم انہیں ان کے اعمال کی قدر و قیمت سے بہتر جزا عطا کریں گے) کی رو سے بہتر اجر حاصل کرے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (پس جو ایک ذرے کے برابر اچھائی کریگا اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرے کے برابر برائی کریگا اسے

دیکھ لے گا۔) الزلزال۔ ۷۔۸

اِنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔

(میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرونگا چاہے وہ مرد ہو یا عورت) آل عمران۔ ۱۹۵

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔

(اور جو دنیوی بدلہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیدیں گے اور جو اخروی بدلہ چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دیدیں گے) آل عمران ۱۴۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

یہ لقاء اللہ کے سفر کے پہلے مرحلے کا دوسرا قدم ہے اور ابھی جستجوئے حق جاری ہے۔

اس قدم پر سالک اپنے رب سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے۔ سالک لقاء اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کسی ایسی ہستی کو تلاش کرتا ہے جو اس کے رب سے تعلق رکھتی ہو۔

اس لئے کہ آیا یہ ممکن ہے کہ اس کائنات کی تخلیق اور تشکیل کے بعد کوئی خدا سے رابطہ پیدا نہ کر سکے؟

آیا یہ ممکن ہے کہ ضعیف اور کمزور افراد اپنے مہربان رب سے کوئی تعلق، چاہے بالواسطہ ہی کیوں نہ ہو، پیدا نہ کر سکیں؟ آیا خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ اور تعلق کے وسائل کا نہ ہونا، کائنات کے نظم میں نقص نہیں ہوگا؟

آیا لوگوں کے اپنے رب سے بے تعلق رہنے سے حیرت و سرگردانی غیر ذمہ داری اور ہرج و مرج کی صورتحال پیدا نہیں ہوگی؟

آیا اگر کائنات کا خالق اپنے آپ کو لوگوں سے الگ اور منقطع کرلے تو کیا اس سے مقصد تخلیق ضائع نہیں ہو جائے گا؟

آیا کائنات اپنے وجود میں آنے کے بعد' اپنی بقا اور باہمی روابط کے لئے کسی قسم کے قواعد وضوابط کی محتاج نہیں ہے؟

آیا اس بااستعداد اور صاحب فہم وفراست انسان کی زندگی کا کوئی منظم اور منضبط پروگرام نہیں ہونا چاہئے؟ جو مسائل انسان حل نہیں کر سکتا کیا ان مسائل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حل نہیں ہونا چاہئے تاکہ اختلافات دور ہو سکیں؟

آیا یہ جائز اور مناسب ہے کہ خدائے مہربان وحکیم اس کائنات اور اہلِ کائنات کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور وہ جیسے بھی فکر وعمل کو اپنالیں وہ ان پر راضی رہے؟

پس قطعی اور یقینی طور پر انسانی معاشرے میں ایسے مستعد اور کامل افراد کا موجود ہونا ضروری ہے جو پہلے مرتبہ میں خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہوں اور دوسرے مرتبہ میں انسان کی خودسازی اور خالق کے ساتھ اس کے معنوی ربط کی راہیں دکھائیں اور انسان کے مسائل کو حل کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ "نمایاں افراد اللہ تعالیٰ کی تائید وتقویت اور اسکی تربیت سے بنائے اور معین کئے گئے ہوں" یہ افراد مسلم طور پر ہر لحاظ سے پاکیزہ اور ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہوں اور اپنے سیرت وکردار اور فکر وعمل کے لحاظ سے سوفیصد قابل اطمینان واعتماد ہوں۔ چونکہ ان شرائط کے حامل یہ افراد' اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین ہوتے ہیں لہٰذا یہ واضح سی بات ہے کہ وہ اپنے کردار وگفتار' صفاتِ نفسانی اور روحانی مقامات اور معارف میں صفاتِ الٰہیہ کے مظہر اور نمائندے ہوں گے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (جو رسول کی اطاعت کرے تو اس نے اللہ کی اطاعت کی) نسا۔ ۸۰

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ۔

(پس اگر تم کسی شئی میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور اسکے رسول کی طرف لوٹا

دو) نسا۔ ۵۹

اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ۔

(اللہ اور رسول کی بات کو قبول کرلو جب وہ تمہیں اسی چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے) انفال۔ ۲۴

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے) یونس۔ ۴۷

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

(ہم نے آپ کو شاہد' بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے) فتح۔ ۸

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ۔

(اور ہم رسولوں کو صرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجتے ہیں) کہف۔ ۵۶

اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ

(اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کا انتخاب کرتا ہے) حج۔ ۷۵

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ۔

(ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا ہے) حدید۔ ۲۵

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

(جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ) حشر۔ ۷

ان آیاتِ شریفہ میں انبیاء الٰہی کے بارے میں بعض باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ سالک کو اس دوسرے قدم پر' جو عمل سے تعلق رکھتا ہے' پوری احتیاط اور باریک بینی سے کام لیتے ہوئے ہر قسم کی سستی اور کاہلی سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ابتداء سے ہی صحیح قدم اٹھائے اور ثابت قدم رہے اور ہر قسم کی لغزش اور سہل انگاری سے دور رہے۔ اور اس سلسلہ میں مندرجہ

ذیل باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

الف۔ اس بات کی طرف ضرور توجہ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اس لئے کہ رسول 'اللہ کا نمائندہ ' اسکا مظہر اور خلیفہ ہے اور اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا۔

ب۔ وہ تمام اختلافی، مبہم اور مشکل مسائل جو لوگوں کے درمیان قطعی طور پر حل نہیں ہو سکتے انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا چاہئے اور اس سے مدد طلب کرنی چاہئے۔

ج۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت حقیقی زندگی کی دعوت ہے۔لہٰذا جو حقیقی زندگی کا طالب ہے اس پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی پیروی کرے۔

د۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف ہے کہ اس نے اپنی رحمت اور احسان کی تکمیل، نظم کائنات کی تکمیل اور تکوین وتشریع میں مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں۔

ھ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کی بعثت اور تقرر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چونکہ رسول 'اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا وہ خود لوگوں کے کردار اور ان کے چال چلن کی نگرانی کرے، ان کے ساتھ نزدیک سے رابطہ قائم کرے اور وہ بھی اس کامل الٰہی نمائندے سے تعلق پیدا کریں تاکہ کارِ ہدایت احسن طور پر انجام پا سکے۔

و۔ اللہ تعالیٰ کے نمائندے کے فرائض میں سے ہے کہ وہ لوگوں کو نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہونے، عملی انحراف اور حیوانی اخلاق اختیار کرنے سے باز رکھے اس لئے کہ یہ سب چیزیں انسان کو مقام انسانیت سے مکمل طور پر گرا دیتی ہیں۔ وہ انہیں سعادت، خیر اور بہتری کی طرف بلاتا ہے جو بالآخر لقاءاللہ کے مقام تک جا پہنچتے ہیں۔ اور وہ انہیں ان کی بشارت دیتا ہے۔

ز۔ اللہ تعالیٰ خود رسول کا انتخاب کرتا ہے اور یہ انتخاب ذاتی اور تکوینی لحاظ کے

علاوہ عمل اور طرز زندگی کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے تاکہ اس کے نمائندۂ الٰہی ہونے کے لئے زمین ہموار ہو سکے۔

ح۔ جو شخص خدا کا نمائندہ یعنی رسول ہونے کا دعویٰ کرے اس کے پاس اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے واضح دلیل اور ثبوت بھی ہونا چاہئے اور دنیا میں کوئی شخص بھی قطعی اور ناقابل تردید دلیل کے بغیر اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتا۔

ط۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کے منصب پر فائز ہے تو پھر عقل اور ضمیر کے حکم کی رو سے تمام انسانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے سامنے سرِتسلیم خم کرلیں اور اسکی پیروی کریں۔

ی۔ پس جب سالک کو یہ توفیق حاصل ہو جائے کہ وہ اللہ کے ایسے نمائندے کا دامن تھام لے جسے اللہ نے خود اپنا نمائندہ بنا کر لوگوں کی ہدایت اور دستگیری کے لئے بھیجا ہے تو اس کی آدھی آرزو پوری ہو جاتی ہے۔ جی ہاں! اس راہ پر چلنے کا سب سے مشکل مرحلہ، سفر کی خصوصیات اور کیفیات سے آگاہی حاصل کرنا اور راہِ سفر کی معرفت اور تلاش ہے۔ اللہ کے نمائندے کی بارگاہ تک رسائی حاصل ہو جانے سے یہ مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسری مشکل باقی رہ جاتی ہے اور وہ حق کے احکام کے مطابق ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس پر جدوجہد اور محنت کے ساتھ ہی فائز ہوا جا سکتا ہے۔ اس بات پر بھی ضرور توجہ رہنی چاہئے کہ یہاں سے سالک ایک بہت بڑے خطرے سے روبرو ہوتا ہے اور وہ غفلت اور کاہلی ہے اور یہ بات گزشتہ بیانات میں مذکور ہو چکی ہے کہ نتیجہ کے لحاظ سے غفلت اور کفر برابر ہیں۔

يَامَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ۔

(اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے

جو تم پر میری آیات بیان کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ تو وہ کہیں گے ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں اور انہیں دنیوی زندگی نے دھوکا دیا اور انہوں نے اپنے کافر ہونے کا اعتراف کرلیا) انعام۔ ۱۳۰

سالک کو یہ بات ضرور مدنظر رکھنی چاہئے کہ دنیا کی زندگی اور اس میں کھو جانا اخروی زندگی کے مدمقابل ہے اور لقاءاللہ کے راستے سے الگ اور جدا ہے۔ دنیوی زندگی سے محبت کا دھوکہ اور غرور، حق کی طرف بڑھنے کی راہ میں انتہائی موثر رکاوٹ اور سب سے بڑا خطرہ ہے۔

علاوہ ازیں سالک کو اس امر کا بھی زبردست اہتمام کرنا چاہئے کہ دنیا بلکہ ہر قسم کی آسائش اور عیش کے وسائل کو اللہ کی طرف بڑھنے ' روحی کمالات حاصل کرنے اور اپنے معنوی فرائض کی ادائیگی کے لئے استعمال کیا جائے۔ اس لئے کہ دنیوی زندگی اور مادی عیش وعشرت 'جسمانی موت کے ساتھ اختتام کو پہنچ جاتی ہیں۔ یہ جس قدر بھی وسعت اور کثرت رکھتی ہوں فنا اور محو ہو جاتی ہیں۔

لیکن اگر روحانی زندگی کا آغاز ہو جائے اور وہ رکاوٹوں اور مشکلات سے دوچار نہ ہو تو ہمیشہ کے لئے باقی اور لازوال رہتی ہے اور جسمانی موت کے بعد اس کی قوت ' قدرت اور وسعت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

يَاقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ۔

(اے میری قوم یہ دنیوی زندگی ایک محدود لذت ہے اور آخرت برقرار رہنے والا گھر ہے) مومن۔ ۳۹

قیامت اور لقاء

نقطہ آغاز تک دسترس حاصل کرنا انجام اور انتہا تک پہنچنے سے کہیں زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ اگر نقطہ آغاز یا بالفاظ دیگر مبدا تک رسائی حاصل ہو جائے اور پھر احتیاط سے حرکت کی جائے تو یقیناً نقطہء آخر پر پہنچا جا سکتا ہے اور یہ قاعدہ

زندگی کے تمام شعبوں میں جاری ہے۔

ہر ابتداء اور آغاز کا یقیناً ایک انجام اور اختتام ہوتا ہے۔ سالک کو احتیاط کے ساتھ تمام خصوصیات کی حفاظت کرتے ہوئے حرکت کرنی چاہئے تاکہ انجام اور اختتام تک پہنچا جاسکے۔

جسمِ انسانی کا آغاز خاک اور گِل سے ہوا ہے اور یہ ایک محدود حرکت کے بعد دوبارہ خاک میں تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ انسان کی روح ۔ فَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کی رو سے نفخہء الٰہی سے شروع ہوئی ہے اور چونکہ مادی تغیرات اس پر طاری نہیں ہوتے لہٰذا یہ مسلسل حرکتِ جوہری اور طلب کمال میں سرگرم عمل رہتی ہے یہاں تک کہ خود کو منزل لقا تک پہنچا دیتی ہے۔

جسم اور اس کی قوتیں روح کے کارندے اور خادم ہیں۔ روح کے بغیر ان میں کوئی قدرت اور اختیار نہیں پایا جاتا۔ روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد وہ بھی دوسرے جمادات کی مانند حسن ادراک اور حرکت سے خالی ہو جاتا ہے۔

پس سلوک اور لقا کی بحث میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ انسان کی روح اور روحانیت سے متعلق ہے۔ اسکا جسم وجسمانیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

برزخی یا مثالی بدن ' یا اس کے بعد پیدا ہونے والا بدن بھی مادی بدن کی طرح ' روح کی زندگی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

پس قیامت کی حقیقت یہ ہے کہ اس دن روح مادہ، مادیات اور اس کے تقاضوں سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریگی۔ مادی حجابات برطرف ہو جائیں گے اور مراتبِ روحانی کی جلوہ نمائی ہوگی۔

ایک عمومی معنی کے لحاظ سے قیامت سے مراد جہانِ آخرت کا برپا ہونا ہے، جس میں نیک وبد اور مومن وکافر کا باطن ' ظاہر ہو جائے گا اور ہر شخص کو باریک بینی سے حساب کے بعد اسکی جزا دی جائے گی۔ جبکہ خاص معنی کے لحاظ سے قیامت

بارگاہِ ربِ ذوالجلال میں پیش ہونے کا نام ہے۔

بہرصورت عقل اور ضمیر کا حکم اور فیصلہ یہی ہے کہ دوسری دنیا یعنی جہان آخرت میں منتقل ہونا قطعی اور ضروری ہے اگرچہ مختلف افراد کے اعتبار سے اسکی خصوصیات مختلف ہوں۔

معاد، یعنی قیامت کے دن بارگاہ خدا میں لوٹنا، درحقیقت مبدا پر ایمان اور اعتقاد کا لازمہ ہے اور جو مبدا پر ایمان رکھتا ہے وہ معاد پر ایمان رکھنے پر بھی مجبور ہے۔

پس انسان کے روحانی پہلو کو سمجھ لینے اور جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی اسکی بقا کا ادراک کر لینے سے معاد اور قیامت پر ایمان پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ اسکی جزئیات معلوم نہ ہوں۔ اس اعتقاد اور ایمان سے لقاء اللہ کا موضوع اجمالی طور پر ثابت اور برقرار ہو جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات بھی اسی حقیقت کو واضح کرتی ہیں۔

اَللّٰہُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔

(اللہ خلق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے لوٹائے گا پھر تم اسکی طرف لوٹائے جاؤ گے) روم۔ ۱۱

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ۔

(کہہ دیجئے تمہیں ملک الموت واپس لے لے گا جو تم پر وکیل بنایا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے) سجدہ ۱۱

اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ۔

(تم سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے پس وہ تمہیں ان چیزوں سے آگاہ کر دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے) مائدہ:۴۸

اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

(تم سب کی بازگشت اللہ کی طرف ہے پس وہ تمہیں تمہارے اعمال سے باخبر

کرے گا) مائدہ۔ ۱۰۵

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا

(اور ہم قیامت کے دن انصاف کے میزان قائم کریں گے پس کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔) انبیاء۔ ۴۷

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) بقرہ ۱۵۶

ان آیات کریمہ سے مندرجہ ذیل مطالب سامنے آتے ہیں۔

الف۔ اللہ تعالٰی نے تمام موجودات کو پیدا کیا اور پھر وہ ہر چیز کو اس چیز میں تبدیل کر دیگا جس سے اس نے اسے پیدا کیا اور بالاخر وہ اس کی طرف لوٹا دی جائے گی۔

ب۔ دنیوی زندگی سے موت، ملائکہ میں سے ایک موکل کے ذریعے واقع ہوتی جو موت کی خصوصیات کیفیت اور جزئیات کا نگران ہوتا ہے۔

ج۔ اللہ تعالٰی کی طرف انسان کی عمومی اور مطلق برگشت موت کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور جاری رہتی ہے۔

د۔ اس عمومی لقا کے دور میں، لوگوں کے درمیان اختلافی مسائل کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور مبہم، مجہول اور پوشیدہ امور حل اور منکشف ہو جائیں گے۔

ھ۔ اس دن دقیق اور مکمل طور پر عادلانہ معیار اور موازین کی رو سے لوگوں کے اعمال اور امور کا حساب کیا جائے گا۔

و۔ دنیوی زندگی کے تمام عرصے میں انجام دیئے گئے تمام اچھے برے اعمال سامنے آجائیں گے۔

ز۔ اس دن کسی کے حقوق پر ذرہ بھر ظلم اور زیادتی نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی کا ذرہ بھر حق ضائع ہوگا۔

ح۔ ہم سب اللہ تعالٰی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں اور اسی کے مملوک

ہیں اور یہ زندگی گزارنے کے بعد اسکی بارگاہ میں لوٹ جائیں گے۔

بے شک ہر چیز اپنی ہستی اور وجود کے تغیرات کے بعد اور اپنے وجود کی حرکت کے آخری مرتبہ کے بعد اسی مادہ میں لوٹ جائے گی جس سے وہ پیدا ہوئی تھی اس لئے کہ وہ اصلی مادہ جس سے ہستی اور وجود کی پیدائش ہوئی ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف بازگشت اور رجوع کی کوئی راہ ہی موجود نہیں ہے اور ہم، جو اپنی حقیقت اور جوہر انسانیت کے لحاظ سے، جوکہ نفخۂ الٰہی سے وجود میں آنے والی ملکوتی روح ہے چاروناچار اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائیں گے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام اور ایمان

یہاں تک جب مبدا، معاد اور نبوت کی معرفت حاصل ہو گئی تو لقا اللہ کی اساس اور بنیاد تعمیر ہو جاتی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جوکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نمائندہ ہیں، جب ان کی معرفت حاصل ہو گئی تو قہراً اسلام اور ایمان کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اسلام کے کلی اصول دین توحید، نبوت اور قیامت ہیں اور امامت درحقیقت نبوت کا لازمہ اور اسکے تابع ہے چنانچہ عدل، توحید کا لازمہ اور اسکے تابع ہے۔

اسلام کسی چیز کو سلامتی دینے اور اس کے ساتھ مکمل موافقت کرنے کا نام ہے چنانچہ ایمان کسی چیز کو امن، سکون اور اطمینان دینے کا نام ہے۔

البتہ نفس کے سلامتی اور امن واطمینان میں ہونے کے مختلف درجات اور مراتب ہیں چنانچہ دیگر مفاہیم میں بھی ایسا ہی ہے اور یہ مراتب، اعمال صالحہ، تزکیۂ نفس اور معارفِ الٰہیہ کے حصول سے قوت اور استحکام حاصل کرتے ہیں اور یوں ظن سے علم الیقین، پھر عین الیقین اور بالآخر حق الیقین کا رتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

پس اسلام یا ایمان کے مراتب، سلوک کے مراحل ودرجات طے کرنے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔یہ مراتب سالک کے اختیار میں نہیں ہیں اور مراحل سلوک کو ذریعہ اور وسیلہ بنائے بغیر انہیں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے بہرصورت اسلام، لقا اللہ کی طرف سلوک کے پروگرام کو تلاش کرنے اور اس سے وابستگی کا نام ہے۔

یہ پروگرام، وہ قوانین اور احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بوسیلۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معین ہوئے ہیں اور اس پروگرام میں قرآن مجید برسرفہرست ہے۔

پس سالک کا سب سے پہلا فریضہ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو حاصل کرنا ہے۔ تاکہ ان کے مطابق یہ راستہ طے ہو سکے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ

(اے ایمان والو پوری طرح سے سلامتی میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے) بقرہ ۔ ۲۰۸

مرحلہ دوم۔ توبہ

پہلے مرحلہ میں اس الٰہی اور دینی پروگرام کے اصول اور بنیادوں کی شناخت عمل میں آچکی جس سے سلوک اِلَی اللہ کی راہ ہموار ہوتی ہے اور ان پر دقیق تحقیق ہو چکی ہے اور اس سے اسلام اور ایمان کی حقیقت سے بھی آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ آگاہی اور معرفت علم کے درجہ تک پہنچ جائے،صرف تقلیدی،لفظی اور ظاہری طور پر جان لینا ' جیسا کہ معمولا ہوتا ہے ' مقام سلوک کے لئے کافی نہیں ہے۔

پس جب سالک پہلے مرحلہ کو طے کرلیتا ہے تو وہ دوسرے مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے۔یہ مرحلہ عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مرحلہ میں ان اعمال کو انجام دیا جانا چاہئے جو معرفتِ اللہ ' رسالت اور خلافت پر ایمان اور آخرت پر اعتقاد کی بنیاد پر عقلا" اور شرعاً معین ہوتے ہیں۔ یہ سلوک الی اللہ کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مرحلہ ہے اور یہاں سے عمل کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے پر ان تین چیزوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اول :۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اختلاف رکھنے والی راہوں سے واپسی ' اور حقیقی توبہ کا واقع ہونا۔

دوم:۔ جن چیزوں کو شریعت میں حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے ان سے مکمل طور پر دوری اختیار کرنا۔

سوم:۔تمام واجبات کو انجام دینا۔

جب یہ تین امور دقت اور تحقیق کے ساتھ انجام پا جائیں تو دوسرا مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے۔

اب ان تین امور کی کچھ تشریح :

توبہ :

جو برے اعمال انجام دیئے گئے ہوں ' ان کو ندامت اور پشیمانی کے ساتھ ترک کر دینے کو توبہ کہتے ہیں۔توبہ سالک کے لئے ایک عام معنی رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اختلاف رکھنے والی تمام راہوں اور اعمال کو ترک کر دیا جائے۔ بے شک جب سالک مبدا اور معاد کی معرفت حاصل کرلیتا ہے تو اس راہ پر چلنے اور لقاءاللہ کی منزل پر پہنچنے کی محبت اور شوق خودبخود اس کے دل میں پیدا ہو جائے گا۔ یہی شوق اسے راہِ عمل پر گامزن ہونے پر مجبور کردے گا۔

عقل وضمیر کا قطعی فیصلہ ہے کہ کسی راہ پر چلنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اسکی مخالف راہوں کو ترک نہ کردیا جائے۔

پس جو شخص لقاءُ اللہ کی راہ پر چلنے کا عزم کرچکا ہو اور اس میں پیش رفت کا متمنی ہو' تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان تمام راہوں کو جو اس مقصد کے خلاف ہیں اور دنیوی زندگی' مادی اور شہوانی اغراض کی طرف جاتی ہیں' ترک کردے۔

بلاشبہ اگر کوئی شخص اصفہان جانے کا ارادہ کرے اور اصفہان جانے والے راستہ کے علاوہ دوسرے تمام راستوں کو عملاً" مکمل طور پر ترک نہ کرے تو وہ اپنی منزل پر ہرگز نہیں پہنچ سکے گا اور معنوی راہوں کا سفر تو بہت دقیق اور باریک ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی سی حرکت یا عمل اور نیت یا فکر بھی رکاوٹ پیدا کرنے میں بہت موثر واقع ہوتی ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے توبہ ' عقلا" اور شرعا" ان واجبات میں سے ہے جنہیں فوراً انجام دیا جانا چاہئے اور جب تک سالک اس حکم پر مکمل خلوص ' عزم اور محبت کے ساتھ عمل نہ کرے ' ہرگز خیروسعادت اور فلاح وکمال کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکے گا اور منزل لقا کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا۔

یہ پہلی حرکت سالک کے لئے بعد میں آنے والی تمام حرکات اور منازل سے

بڑھ کر دشوار اور مشکل ہے۔ عزمِ صمیم اور فیصلہ کن ارادے کے بغیر جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی توجہ اور توفیق ہی سے ممکن ہے، اس مشکل مرحلہ پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اللہ کی توفیق اور مدد سے یہ فیصلہ کن حرکت وقوع پذیر ہو جائے تو طبعاً سالک اس راہ پر چل پڑے گا اور اپنی محنت اور مجاہدت کی حدود میں اپنی منزل تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ یہ تمام خصوصیات ظاہری وطن سے حرکت کرتے وقت بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

(بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) بقرہ۔ ۲۲۲

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا فرقان:۷۱

(اور جس نے توبہ کی اور عمل صالح انجام دیا تو وہ اللہ کی طرف لوٹتا ہے) فرقان

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ۔

(اے ہمارے رب تیری رحمت اور علم کی وسعت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے پس تو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی کی اور انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔) مومن ۔ ۷

وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

(اور جنہوں نے توبہ نہیں کی تو وہی لوگ ظالم ہیں) حجرات۔ ۱۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحًا۔

(اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو) تحریم ۔ ۸

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ۔

(سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور اللہ تعالیٰ سے اعتصام کیا اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیا تو وہ مومنین کے ساتھ ہیں)

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا۔

(اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اسکی بارگاہ کی طرف رجوع (توبہ) کرو وہ تمہیں اچھی زندگی عطا کرے گا) ہود۔ ۳

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ۔ توبہ:۱۱۲

(توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے، عاجزی کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور مومنین کو بشارت دے دیجئے)

ان آیات کریمہ سے توبہ کے بارے میں یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

الف۔ توبہ کا ایک نتیجہ محبت الٰہی کا پیدا ہونا ہے۔

ب۔ توبہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے بعد توحید، نبوت اور قیامت پر ایمان کے تقاضوں کے مطابق عملِ صالح ضرور انجام دیا جائے۔

ج۔ توبہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بعد سیر و سلوک الی اللہ انجام پائے اور اس میں کسی قسم کی کاہلی اور سہل انگاری نہیں ہونی چاہئے۔

د۔ جو شخص حق سے اختلاف رکھنے والی راہوں سے روگردانی کر کے راہِ حق کی طرف نہیں لوٹتا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتا، وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور سعادت کی حقیقت سے محروم ہو جاتا ہے۔

ہ۔ توبہ ضرور خالص، سچی اور فیصلہ کن ہونی چاہئے اور اگر وہ دوسری مختلف اغراض سے آلودہ ہو اور صحت و صداقت کے ہمراہ نہ ہو تو اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

و۔ توبہ کے ساتھ ساتھ ماضی کی خطاؤں اور گناہوں کی اصلاح اور لوگوں کے

ضائع شدہ حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔

ز۔ توبہ کے دوران اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا اور اسکی توفیق اور تائید کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے۔

ح۔ توبہ کے بعد دین پر عمل اور سلوک الی اللہ کا عمل ہر لحاظ سے مکمل اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ کے ساتھ انجام پانا ضروری ہے۔

ط۔ توبہ سے قبل استغفار ضروری ہے۔ گزشتہ خطاؤں اور معاصی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سالک کو اپنی رحمت اور فضل کے سائے میں جگہ عطا فرمائے۔

ی۔ آخری آیت میں سلوک کے پانچ مراحل کی طرف اشارہ ہے اور اس کتاب میں بھی انہی مراحل سے بحث کی جائی گی۔

مرحلہ اول ۔ **مِنَ الْمُؤْمِنِیْن** ۔ اس سے مراد اسلام وایمانِ صادق ہے۔

مرحلہ دوم ۔ **اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْن**۔ اس سے مراد توبہ اور عمل ہیں۔

مرحلہ سوم ۔ **اَلْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْن**۔ یہ تزکیہ قلب کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے،اس لئے کہ توبہ اور عمل کے بعد جب انسان تزکیہ اور تہذیبِ نفس کو شروع کرتا ہے تو اسکا قلب منور ہو جاتا ہے،جب وہ چشمِ دل سے اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی رحمتوں اور نعمتوں کو دیکھتا ہے تو اسکی حمد وثنا میں مشغول ہو جاتا ہے' اسکا سفر شروع ہو جاتا ہے' اس لئے کہ باطنی حرکت اسی مرحلہ سے شروع ہوتی ہے اور لفظ "سیح" کے معنی تدبیر اور تفکر کے ساتھ چلنے کے ہیں اور یہ تزکیۂ نفس سے قبل ممکن نہیں ہے

مرحلہ چہارم ۔ **اَلرَّاکِعُوْنَ السَّاجِدُوْن**۔ یہ خضوع کامل اور فنا کا مقام ہے۔

مرحلہ پنجم ۔ **اَلْاٰمِرُوْن**.... سے مراد اجتماعی اور معاشرتی فرائض کی ادائیگی ہے اور جب یہ پانچ مراحل شرائط اور خصوصیات کے ساتھ مکمل ہو جاتے ہیں تو بَشِّرِ الْمُؤمنین ۔ مومنین کو بشارت دو = کا مکمل اور حقیقی مصداق پیدا ہو جاتا ہے۔

جی ہاں ! یہ صفات ان مومنین کی ہیں جنکا گزشتہ آیت **(اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْن ...)** میں اجمال اور اختصار کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ مگر جب ان میں یہ صفات بھی پیدا ہو جائیں تو ایمان تفصیلی اور حقیقی صورت میں واقع ہو جاتا ہے اور یہ بشارت اس سے تعلق قائم کرلیتی ہے۔

اس امر کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے کہ ہر سابقہ مرحلہ کے اندر بعد میں آنے والے مراتب اور مراحل اجمالی طور پر موجود ہوتے ہیں اور ہر بعد میں آنے والا مرتبہ گزشتہ مرحلہ کی تفصیل اور تشریح پر مشتمل ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مراتب سابقہ مراحل میں بالقوہ اور لاحقہ مراحل میں بالفعل ہو جاتے ہیں۔

پس جب سالک باریک بینی اور مکمل خلوص کے ساتھ توبہ کرلیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اس توفیق اور گرانقدر الٰہی نعمت اور رحمت پر شکر گزار ہونا چاہئے اور اسے اس بات پر دھیان رکھنا چاہئے کہ مکمل خیروسعادت وکمال کی راہیں ہموار ہو چکی ہیں' فلاح ورحمت کے دروازے اس پر کھلے ہیں اور لقاءاللہ کا سفر اس کے لئے آسان ہو چکا ہے۔

وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(اور اپنے لئے (عمل خیر کا ذخیرہ) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور مومنین کو بشارت دو) بقرہ ۔ ۲۲۲

قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

(جن لوگوں کو گمان تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں انہوں نے کہا کئی چھوٹے گروہ اللہ کی مدد سے بڑے گروہوں پر غالب آگئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) بقرہ ۔ ۲۴۹

جو شخص لقاءاللہ کی امید رکھتا ہے وہ اپنے لئے ان تین حالات کو محسوس کرتا

ہے۔

۱۔ اس راہ سے شدید دلچسپی ' شوق اور اسکی اہمیت کی وجہ سے وہ اعمال حسنہ اور دوسرے ہر ممکن طریقے سے اپنی روح کو قوی اور طاقتور بنانے کے لئے کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔

۲۔ سیرالی اللہ سے منافات رکھنے والی ہرچیز سے اجتناب اور تقویٰ کی حالت۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی قوت اور طاقت کے ساتھ روحانی اور معنوی رابطہ وجود میں آتا ہے اور ظاہری قوتوں اور اسباب و وسائل پر عدم توجہ اور تحمل 'استقامت اور صبر کی حالت پیدا ہوتی ہے۔

یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ توبہ کے ایک اور عام اور وسیع معنی بھی ہیں اور وہ یہ کہ انسان ہروقت ' ہرحال میں عملاً فکراً" ' توجھاً" اور حضوراً" اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف توجہ اور بازگشت رکھے۔

عمل کے ذریعے تقویت :۔

جیسا کہ گزشتہ آیت "وَقَدِّمُوا لِاَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ" سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہو چکی ہے کہ لقاءاللہ کے وقوع اور تحقق کے لئے دو مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے۔

اول :۔ روح کی تقویت ' حفاظت اور اسے نفع پہنچانے والے اعمال حسنہ کو انجام دینا اور انہیں ذخیرہ کرنا۔

دوم :۔ ان تمام اعمال سے پرہیز اور اجتناب کرنا جو خدا کے ساتھ انسان کے تعلق کے منقطع ہو جانے اور اسکی مخالفت 'نافرمانی اور سرکشی کا باعث ہوتے ہیں۔

اور چونکہ پہلا مقدمہ مثبت پہلو رکھتا ہے اور براہ راست انسان کی روح کو مدد ' استحکام اور قوت پہنچاتا ہے اور اسے شرح صدر عطا کرتا ہے لہذا ہم بھی اس آیہ شریفہ کی پیروی کرتے ہوئے پہلے اسی موضوع کی وضاحت کرتے ہیں۔

عمل:

عمل سے مراد وہ مخصوص اور محسوس حرکات ہیں جو ظاہری پانچ قوتوں اور جسمانی اعضاوجوارح کی مدد سے انجام پاتی ہیں۔ البتہ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ انسانی بدن ایک بڑی سی برقی مشین کی مانند ہے جو اپنے مکمل نظم اور کافی وسائل کے سبب انسان کی مرضی کے مطابق پسندیدہ نتیجہ دیتی ہے۔

اگر ہم اس مشین کی کارکردگی کا سطحی نظر سے مطالعہ کریں تو یہ دیکھیں گے کہ ہمارے تمام اعمال براہ راست اسی مشین کی کارکردگی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن اگر گہری سوچ اور تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ ان اعمال کیانجام دہی میں اس مشین اور اس کے آلات کو کوئی مستقل اور فیصلہ کن مقام حاصل نہیں ہے اور ان اعمال کی انجام دہی ' ایک ماہر شخص کی عقل ' فکر اور روحی طاقت کرتی ہے جو اس مشین کی آپریٹر(Operator) ہے ... یہی وجہ ہے کہ اگر گھڑی بھر اس مشین سے غفلت برتی جائے تو اس میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بے فائدہ اور بے کار ہو جاتی ہے۔

اس تمہیدی گفتگو سے ہم یہ نتائج اخذ کرتے ہیں:۔

۱۔ انسانی جسم جو اس کے قوا' اعضاوجوارح اور دیگر تمام وسائل پر مشتمل ہے اہم ترین مادی مشین ہے اور زندگی کے تمام اسباب ولوازم اور ضروری اعمال کی قوتیں اس کے اندر پیدا کی گئی ہیں اور یہ بہترین عمل ' منظم ترین پروگرام اور دقیق ترین منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے۔

لیکن اس حیرت انگیز مشین کے پسِ پردہ اس کے مدبر اور حکیم خالق کے حکم سے ایک عاقل اور مسلط روح موجود ہے جو جسم کے تمام اعمال وحرکات اور اسکے تمام اعضا اور قوا کی مدبر اور اس پر حاکم اور ناظر ہے اور اسکے حکم کے بغیر کوئی منظم ' صحیح اور موزوں حرکت انجام نہیں پا سکتی۔

۲۔ جسم کے اعمال اور روح کے احکام کا باہمی تعلق اور ربط اسقدر مستحکم ، فیصلہ کن اور دائمی ہے کہ ہم ازراہ حقیقت جسم کے تمام اعمال کو روح کی طرف منسوب کر سکتے ہیں اور انہیں روح کے ارادے ، نفوذ اور حکم کا جلوہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات جب تھکاوٹ ، بیماری، نیند ، بے ہوشی یا غفلت و سرتابی کی وجہ سے روح کا حکم اور فرمان مغیث ہو کر جسمانی قوتوں پر موثر اور نافذالعمل نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں خلل اوربد نظمی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور جسم ایک معیوب اور ٹوٹی ہوئی مشین کی مانند ، ایک ماہر کارفرمانروا کی تدبیر اور حکم کے مطابق عمل کرنے کی استعداد سے خالی اور بے بہرہ نظر آنے لگتا ہے۔ چنانچہ دیوانے چکرائے ہوئے یا بے ہوش افراد کی حالت یہی ہوتی ہے اور اگر یہ ناملائم حالات برقرار رہیں تو روح اور جسم کا تعلق مکمل طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔

۴۔ جب انسان بعض مقررہ کاموں کی انجام دہی پر مامور ہو جائے تو اسکی روح پر بھی ناچار ان اعمال کی بجا آوری لازم ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تمام جسمانی کاموں کو درحقیقت روح انجام دیتی ہے اور جسم کی حیثیت صرف ایک آلہ اور مشین جیسی ہے۔

پس یہ حقیقت ہم پر بخوبی آشکار ہو جاتی ہے کہ جب سالک عملی طور پر اپنے آپ کو اوامرِ الٰہی کا مطیع اور فرمانبردار قرار دیتا ہے تو درحقیقت اس کی روح تسلیم واطاعت وبندگی سے رشتہ قائم کر لیتی ہے۔ اور جس قدر کوئی عمل شرائط، خصوصیات اور آداب کے لحاظ سے اخلاقی اور روحی جہات سے تعلق رکھتا ہو اتنا ہی انسان کی روح کے لئے زیادہ مفید واقع ہو گا۔یہ حقیقت ان تمام اعمال ووظائف میں مدنظر ہے جو عبادت کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عبادات کے بارے میں نازل ہوا ہے کہ :۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر (عنکبر ۴۵)

(بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے)

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (بقرہ : ۱۸۳)

(تم پر روزہ فرض کر دیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ تاکہ تم تقوا اختیار کرو)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ(بقرہ ۱۹۶)

(اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پایہ تکمیل تک پہنچاؤ)

پس دینی عبادات اور وظائف ایک ایسی معجون ہیں جس میں مختلف پہلو پائے جاتے ہیں اور جو کچھ انسان کی تربیت اور تکمیل کے لئے موثر اور مفید ہے، اس میں پایا جاتا ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہر قسم کے فقرواحتیاج سے منزہ اور پاکیزہ ہے اور عبادات کے تمام مطلوبہ آثار ونتائج بندوں کے فائدے کے لئے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔ (طہ ۔ ۵۰)

(ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی خلقت دی پھر اسے ہدایت دی)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (اعلیٰ ۔ ۱ ۔)

(اپنے اعلیٰ رب کے نام کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا اور برابر کیا اور جس نے تقدیر بنائی پھر ہدایت کی)

وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (نور ۔ ۵۴)

(اور اگر تم اسکی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (نور ۔ ۵۶)

(اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاسکے)

علاوہ ازیں سالک پر لازم ہے کہ تمام حالات اور اوقات میں صرف اور صرف مقامِ تسلیم واطاعت پر رہے اور اللہ تعالیٰ کی کسی قسم کی مخالفت اور نافرمانی نہ کرے۔

بے شک جو شخص رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور لقاءاللہ کی طرف گامزن ہے اسے چاہیئے کہ سو فیصد، دل وجان سے، مکمل عشق ومحبت کے ساتھ، تمام حالات میں اور لقاءاللہ تک تمام راستے میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین کی اطاعت کرے اور ذرا سی بھی سستی اور غفلت کا مرتکب نہ ہو۔

چونکہ یہ مرحلہ عمل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لہٰذا اس میں تمام فقہی ابواب، عبادات، معاملات اور سیاسات اس میں داخل ہیں۔ سالک پر فرض ہے کہ ان تمام فروع پر مکمل صدق، خلوصِ نیت، رغبت اور محبت کے ساتھ، آگاہانہ عمل کرے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (احزاب - ۷۱)

(اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو وہ عظیم کامیابی پر فائز ہو گیا)

خلاف مقصد اعمال

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ لقاءاللہ کا دوسرا مرحلہ ان اعمال سے اجتناب کرنے کا مرحلہ ہے جو لقاءاللہ کی مخالف سمت میں ہوں جیسا کہ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ** سے ظاہر ہے۔

لقاءاللہ کی مخالف سمت میں لیجانے والے اعمال کو فقہی اصطلاح میں محرمات اور مکروہات کہا جاتا ہے چونکہ ان اعمال کا نہ ہونا عقل اور شریعت کی رو سے ضروری ہے لہٰذا ہم انہیں سلوک کے مخالف اور مانع بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے نمائندے کے تمام اوامر کی اطاعت ہر لحاظ سے واجب ہے اسی طرح اللہ اور رسول کے نواہی کی پابندی بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ

دونوں عبادت الٰہی اور دینی اعمال کے دائرے میں آتے ہیں۔ ان دو حصوں کو بجلی کے منفی اور مثبت تاروں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جن سے نور اور حرارت پیدا ہوتے ہیں۔

پس سالک پر لازم ہے کہ احکامِ الٰہی کے ان دونوں حصوں پر مکمل خلوص اور محبت سے عمل پیرا ہو۔ جو آثار، فرائض اور اعمال کے حصے میں بیان ہوئے ہیں اس حصے میں بھی موجود ہیں۔

۱۔ چونکہ اعمال کو انجام دینا اور ترک کرنا دونوں انسان کی روح کے حکم اور ارادے سے ہوتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نواہی کی پابندی کا تعلق بھی روح سے ہوتا ہے۔ روحِ انسانی اسکی مشق اور استمرار سے لقاء اللہ کی راہ میں واقع رکاوٹوں کو دور کر کے استحکام اور ثابت قدمی سے سلوک الی اللہ پر گامزن رہتی ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (حشر - ۷)

(اور جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو)

وَاِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُورِ۔ (آل عمران - ۱۸۶)

(اور اگر تم ثابت قدم رہو اور تقوا اختیار کرو تو یہ پائیدار امور میں سے ہے)

۲۔ جس طرح ہر اطاعت اور عبادت کا ایک خاص ثمر اور نتیجہ ہوتا ہے اسی طرح محرمات اور ممنوعہ امور کا بھی ایک اثر اور نتیجہ ہوا کرتا ہے:۔

اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (نساء - ۳۱)

(اگر تم گناہان کبیرہ سے اجتناب کرو تو ہم تمہارے گناہان صغیرہ کو مٹا دیں گے)

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (بقرہ - ۱۹۷)

(اور زاد راہ لے لو اور یقیناً تقویٰ بہترین زاد راہ ہے)

محرمات سے اجتناب اور تقویٰ جس قدر زیادہ ہو گا اسکے نتائج یقیناً اور سو فیصد بندے کو ہی نصیب ہوں گے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر صرف بندوں کی صلاح وفلاح ہے اور اسکی مخالفت اور نافرمانی سے اسکا کچھ بھی نہیں بگڑتا اس لئے کہ وہ غنی مطلق ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَضُرُّوْاللّٰہَ شَیْئاً (آل عمران - ۱۷۷)

(جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچائیں گے)

مَایُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُرِیْدُ لِیُطَھِّرَ کُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (مائدہ : ۷)

(اللہ تم پر کسی قسم کا حرج نہیں چاہتا لیکن تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر کرنے لگو)

۴۔ محرمات سے اجتناب اور تقویٰ اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ سالک لقا اللہ کی راہ پر چلنے اور اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت رکھتا ہے اور اگر سالک اس راہ میں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مخلص ہو تو وہ کبھی اس بات پر تیار نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذرا سی نافرمانی بھی اس سے سرزد ہو۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ آل عمران - ۳۱

(کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا)

پس سالک کو چاہئے کہ دوسرے مرحلہ میں جو کہ عمل کا مرحلہ ہے' چاہے اسکا تعلق مثبت حصے یعنی واجبات اور مستحبات سے ہو یا منفی حصے یعنی محرمات اور مکروہات سے ' ایک ساتھ اور پوری قوت کے ساتھ کوشش اور جہاد کرے تاکہ اس مقدس راستہ کے اس مرحلہ میں اسے ثابت قدمی ' استقلال اور استحکام

حاصل ہو جائے جب اس کے نتیجے میں سالک کے قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے' ہر قسم کا اضطراب اور تزلزل اس سے دور ہو جائے تو وہ حقیقی اسلام اور ایمان یعنی علم الیقین کی منزل پر فائز ہو جاتا ہے۔

جی ہاں! اسلام کا دوسرا مرتبہ اور ایمان کا پہلا مرتبہ جسے علم الیقین کہتے ہیں اور ہجرت الی اللہ کا عنوان بھی رونما ہو جاتا ہے۔

مَنْ اَحْسَنَ دِیْناً مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِن۔ نسا - ۱۲۵

(دینی لحاظ سے کون اس شخص سے بہتر ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے سامنے اپنا آپ جھکا دیا اور نیکو کار ہو)

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ۔ قصص - ۶۷۔

(جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل صالح انجام دیا تو قریب ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہو جائے)

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَہٗ جَزَاءَ الْحُسْنٰی۔ کہف - ۸۸۔

(اور جو ایمان لایا اور اس نے عمل صالح انجام دیا تو اس کے لئے اچھی جزا ہے)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ انفال - ۷۴۔

(اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا)

اس بات پر بھی توجہ ہونی چاہئے کہ ان دو۔ منفی اور مثبت - حصوں پر باہم اور ایک ساتھ عمل ہونا چاہئے۔ مثبت حصے کو منفی حصے پر مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے تقدم حاصل ہے زمان کے لحاظ سے نہیں۔

اس بات کو بھی ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ اس مقدس سفر میں پوری احتیاط اور انتہائی باریک بینی سے کام لینا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کا خلل اور فساد پیدا نہ ہو ورنہ مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوں گے۔ اس مرحلہ میں علم اخلاق کی کتب میں سے

ابواب مراقبہ ، محاسبہ ، آداب و اسرار عبادات اور دیگر متعلقہ ابواب کی طرف رجوع کرنا ، ان میں غور فکر کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

مرحلہ سوم۔

تزکیہ و اصلاح نفس

دوسرے مرحلے میں سالک کے سفر کا تعلق اصلاحِ عمل سے تھا۔ جب اللہ کی توفیق سے سالک مرحلہ عمل میں تمام اعمال و فرائض کو انتہائی احتیاط کے ساتھ ، خلوص اور محبت کی رو سے شدید اہتمام کے ساتھ انجام دیدیتا ہے تو وہ تیسر مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے،جبکا تعلق اصلاحِ نفس یعنی صفات کے لحاظ سے تربیتِ نفس اور تزکیہ سے ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ نفسِ انسانی عالمِ ماورائے مادہ سے ایک جوہر لطیف ہے جو مادی جسم سے تعلق قائم کرتا ہے ، اسکی استعداد اور قابلیت کے دائرے میں اسکے امور کی تدبیر اور تنظیم کرتا ہے۔یہ جوہرِ لطیف یعنی نفسِ انسانی مزید لطافت حاصل کرنے ، معارف الٰہی کے انوار سے منور ہونے اور صفات لاہوتی سے متصف ہونے کی قابلیت بھی رکھتا ہے۔

جیسا کہ دوسرے مرحلے میں بیان ہو چکا ہے دائرۂ اعمال کی ریاضت اور مجاہدت ایسے آثار کی حامل ہے جو براہ راست انسان کے نفس پر ظاہر ہوتے ہیں اور اسے سرکشی ، تمرد ، غفلت ، جہالت اور سہل انگاری سے نکال کر اطاعت اور تسلیم کی منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔

اس تیسرے مرحلہ میں ہماری بحث نفس کی صفات اور اس کے اخلاق سے متعلق ہے جو کہ عمل کی نسبت نفس سے قریب تر ہے اس لئے کہ اعمال ان اعضاء کے ذریعے انجام پاتے ہیں جو نفس کے خادم کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ تزکیۂ صفات کا تعلق براہ راست نفس اور اس کے حالات سے ہے۔

بے شک نفسانی صفات صفحۂ نفس پر نقش شدہ ایسی تصویریں ہیں جو اگر قوت حاصل کرلیں ، تکرار اور مداومت کے نتیجہ میں نفس میں راسخ ہو جائیں اور اپنی جڑیں گہری کرلیں تو اس کے بعد عینِ نفس ہو جاتی ہیں اس لحاظ اس مرحلہ کی

مجاہدت اصلاحِ عمل کے مرحلے کی نسبت بہت زیادہ اہم اور موثر ہے۔ بلکہ اصلاحِ عمل کے درجات اصلاح نفس کے مراتب پر منطبق اور اس کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور جس قدر اصلاح نفس میں ترقی اور پیشرفت ہو گی اسی حساب سے اعمال صالحہ کی واقعیت اور حقیقت ظاہر ہوگی اور وہ اسی قدر موثر واقع ہوں گے۔

ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اعمال ' نفس میں پائی جانے والی خصوصیات ' کیفیات اور صفات کے آثار ہوتے ہیں۔ بنا براین اصلاح اور تہذیبِ نفس کا مرحلہ رتبے کے لحاظ سے اصلاح عمل کے مرحلہ پر مقدم ہے اگرچہ زمان کے لحاظ سے موخر ہو۔

سورہ شمس میں گیارہ قسمیں کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی فلاح کو تزکیۂ نفس میں منحصر کر دیا ہے اور اسکی ہلاکت کا سبب نفس کی آلودگی کو قرار دیا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ ذَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (شمس ۹ ـ ۱۰)

(فلاح پا گیا جس نے اسے (نفس کو) پاک کیا اور ہلاک ہو گیا جس نے اسے آلودہ کیا)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ

(وہ وہی ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اسکی آیات پڑھتا ہے اور انکا تزکیہ کرتا ہے) (جمعہ ـ ۲)

اس آیہ شریفہ کے علاوہ ' تین اور آیات میں تزکیۂ نفس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعثت کا دوسرا مقصد قرار دیا گیا ہے۔

تنزیہ اور تخلیہ :

ذاتی طور پر نفس انسانی ایک لطیف ' پاکیزہ اور ملکوتی جوہر ہے جب یہ جوہر عالم مادی سے تعلق قائم کرتا ہے تو اس کی محدودیت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس

میں فقر ' احتیاج اور آلودگی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ لطیف اور پاکیزہ نفس ' اپنی مادی حاجات کو پورا کرنے کے لئے بتدریج مادی اور طبیعی طور پر ظاہری اور جسمانی زندگی سے انس اور محبت پیدا کر لیتا ہے اور آہستہ آہستہ اپنی روحی اور معنوی زندگی کو فراموش کر کے دنیوی زندگی میں غرق ہو جاتا ہے اور بخل ' حسد ' طمع ' خودنمائی ' خودبینی ' حرص ' شہوترانی ' غضب ' عداوت ' مکر ' حیلہ وغیرہ جیسی صفاتِ رذیلہ اور برے اخلاق سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ یہ سب بری صفات صرف مادی فوائد حاصل کرنے ' دنیوی زندگی کو وسعت دینے اور ظاہری لذتوں تک رسائی کے لئے ہوتی ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان انسانیت کی حقیقی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور عالمِ ماورائے مادہ ' ملکوتِ اعلیٰ اور لقاءِ عالمِ لاہوت کی قابلیت اور استعداد رکھنے والا انسان اس طرح دنیوی زندگی کی محدود اور تنگ و تاریک گھاٹیوں میں جا گرتا ہے کہ وہ اپنی اصلی راہ ' خیر و سعادت اور وسیع و لامحدود نوری دنیا ' بہشتِ رضوان اور لقاءاللہ سے مکمل طور پر غافل ہو جاتا ہے۔

زندگی کی حدود اور دنیا سے تعلق کے مختلف درجات کے لحاظ سے ہر شخص کسی حد تک ان صفاتِ خبیثہ سے آلودہ ہو جاتا ہے اور راہِ لقا پر چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ ان صفات سے اپنے آپ کو پاک کرے تاکہ اس کے بعد پاکیزہ قلب کے ساتھ اپنے آپ کو لاہوتی صفات سے متصف کرنے ' انوارِ الٰہی کی تابانی سے فیض یاب ہونے اور لقاءاللہ کی توفیق حاصل کرنے کے قابل بنائے۔

یہ حدیث نبوی بھی اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے۔ **حب الدنیا راس کل خطیئہ۔**

یعنی دنیا کی محبت ہر برائی کا سر ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا۔ انسان ـ ۲۷

(یہ زودگزر دنیوی زندگی) سے محبت کرتے ہیں اور بعد میں آنے والے سنگین

دن کو ترک کر دیتے ہیں)

پس اس مرحلہ میں دو حصوں پر تحقیق ضروری ہے۔

اول ۔ مقامِ تخلیہ ۔ یعنی حبِ دنیا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صفاتِ رذیلہ سے نفس کو پاک کرنا۔

دوم ۔ مقامِ تحلیہ۔ یعنی اپنے نفس کو ان صفات سے متصف کرنا جو روحانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔

جب انسان دنیوی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ زندگی کا دائرہ، اسکی نعمتیں اور لذتیں، اسکی زینت و آرائش، اسکے اسباب ووسائل، اموال اور منافع، سب محدود ہیں اور ان کے مقابل ان سے فائدہ اٹھانے والے زیادہ ہیں، رسد کم اور طلب زیادہ ہے اور ان نعمتوں کو حاصل کرنا مشکل اور زندگی کے اسباب ووسائل کی تسخیر بہت سخت، طاقت اور توانائی ضعیف اور رکاوٹیں بہت زیادہ ہیں اور مقابلہ بہت سخت ہے تو مخالفین کو شکست دینے، رکاوٹوں کو دور کرنے، زیادہ سے زیادہ منافع اور فوائد حاصل کرنے کے لئے بھرپور کوشش اور عمل میں مشغول ہو جانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ان سب باتوں کے پیچھے جب دنیا کی فراوانی حکم فرما ہوتی ہے۔

یہیں سے بغض وعداوت، کینہ وحسد، غضب، بدگوئی، بدگمانی اور تحقیر واہانت کے جذبات ہر طالب دنیا کے دل میں اپنے حریفوں کے خلاف سر ابھارتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل کرنے کی خواہش اور لگن، حرص وطمع، دنیا پرستی اور شہوت، مکروحیلہ وفریب کاری، اور بخل اور ذخیر اندوزی کی عادات جیسی صفاتِ خبیثہ کا سبب بنتی ہے۔

خودبینی، خودنمائی، خود پسندی، تکبروتفاخر، تعصب، سنگدلی، فتنہ گری، حبِ جاہ، طولِ امل اور غفلت جیسی صفاتِ رذیلہ حبِ دنیا ہی کے تحفے ہیں۔

پس سالک کو اس حقیقت کی طرف متوجہ رہنا چاہئے اور اپنے نفسانی حالات اور صفات میں بہت غور وفکر وتحقیق کرنی چاہئے اور اپنی ذات میں پائی جانے والی بری صفات کے اسباب کو تلاش کرنا چاہئے۔

البتہ اپنے قلب کو ان صفات سے پاک کرنے کے لئے چند اقدامات بہت ضروری ہیں۔

پہلا اقدام ۔ ان تمام صفات کے سبب یعنی حبِ دنیا کے خلاف جہاد ۔ اس جہاد کو دنیوی زندگی کی حقیقت پر تحقیق وغوروفکر کی راہ سے شروع ہونا چاہئے اور اس بات کی طرف توجہ ہونی چاہئے کہ مادی زندگی کا لازوال روحی اور معنوی زندگی سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دنیوی زندگی کا تعلق جسم اور جسمانی قوتوں سے ہے جنکی بقا جسم کی بقا تک ہوتی ہے اور موت اسے نیست ونابود کر دیتی ہے۔

دنیوی زندگی انسان کو روحی کمالات عطا نہیں کر سکتی بلکہ یہ روح کو افسوس وحسرت کے علاوہ کچھ بھی نہیں دے سکتی دنیوی زندگی انسان کو کوئی پائیدار اور لازوال نتیجہ نہیں دے سکتی بلکہ وِزرو وبال، شروابتلا اور عذاب ومصیبت کی باعث ہوتی ہے۔

دنیوی زندگی کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کو ابدی روحانی زندگی کی سعادت اور کمال کی طرف مائل اور متوجہ نہیں ہونے دیتی۔

دنیوی زندگی کا سب سے وحشتناک نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان صفاتِ خبیثہ اور اخلاقِ رذیلہ کا سبب بنتی ہے جنکی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ ہو چکا ہے۔

دنیوی زندگی مکمل طور پر اخروی زندگی کے مقابل ہے۔

أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ۔

(آیا تم آخرت کے مقابل دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور حیاتِ دنیا کی لذتیں تو آخرت کی نسبت بہت کم ہیں) توبہ:۳۸

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ۔ عنکبوت ٦٣ (اور یہ دنیوی زندگی تو لہو ولعب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ آل عمران۔١٨٥۔ (اور دنیوی زندگی تو صرف دھوکے کا سبب ہے)

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ عنکبوت۔٦٣ (اور بے شک آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی رکھتا ہے اگر یہ لوگ علم رکھتے ہیں)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر دنیوی زندگی عقل اور شریعت کے احکام میں محدود ہو کر ' روحانی اور معنوی زندگی کے مقاصد کے تحفظ کے لئے بسر کی جائے تو یہ بہت پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور یہ حدیث شریف بھی اسی حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ:۔

الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً۔ بقرہ ـ ٢٠١

(اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھی زندگی عطا فرما اور آخرت میں اچھی زندگی عطا فرما)

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۔ زمر ـ ١٠ (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے عمل انجام دیئے ان کے لئے اچھی زندگی ہے)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۔ شوریٰ ـ ٢٠

جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس میں سے دے دیتے ہیں اور اسکا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا)

دنیا کی زندگی اسی صورت میں مطلوب اور پسندیدہ ہوتی ہے اور اچھا نتیجہ دیتی ہے جب اس میں روح اور نورانیت موجود ہو۔ عمل کی روح یہ ہے کہ اس میں پاکیزہ ارادہ ' خالص نیت اور روحانیت پائی جاتی ہو۔ پس دنیوی زندگی میں حسنات صرف اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہیں جب وہ آخرت کی خاطر اور اسے

حاصل کرنے اور لقاء اللہ کے مقصد کے پیش نظر ہو۔ اگر دنیوی زندگی خود ہی منزلِ مقصود بن جائے اور لقاء اللہ کی راہ پر نہ ہو تو ہرگز مفید نہیں ہو گی۔

دوسرا اقدام:۔ یہ اقدام مقصد اور ہدف کے حوالے سے ہے۔

چونکہ سالک کا مقصد اور نصب العین صرف اور صرف لقاء اللہ کی منزل تک پہنچنا ہوتا ہے لہٰذا اسے ہر وقت سالک کی نظر میں ہونا چاہئے' اس کے تمام اعمال' افکار ' اخلاق اور حرکات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ' اسکی خوشنودی اور محبت حاصل کرنے کی خاطر ہونے چاہئیں۔ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا باعث ہو یا بندگان خدا کی تحقیر واہانت اور ان کے حقوق کی پامالی کا سبب ہو یا خشوع وخضوع اور تسلیم واطاعت کے منافی ہو تو بھرپور کوشش اور تحقیق کے ساتھ اسے ترک کرنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے اور بتدریج ان کو دور کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

اگر ان بری صفات کا اچھی طرح سے کھوج لگا لیا جائے تو پھر انہیں مندرجہ ذیل آیات کی روشنی میں برطرف کیا جانا چاہئے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ ہود ـ ١١٢

(پس جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے استقامت کریں اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ اللہ کی طرف رواں ہیں اور دائرہ حق سے باہر نہ نکلیں۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے دیکھتا ہے)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ فصلت ـ ٣٠

(بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں)

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔ جن ـ ١٦

(اور اگر یہ لوگ اس راہ پر ثابت قدم رہیں تو ہم ضرور انہیں صاف اور وافر پانی سے سیراب کریں گے)

پس سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے واضح روحانی نصب العین کی طرف پیشقدمی کرتا رہے ' ہر حال میں ثابت قدم رہے اور اپنے آپ پر ذرا سا تزلزل اور اضطراب بھی طاری نہ ہونے دے۔

تیسرا اقدام :۔ بری اور ناپسندیدہ صفات کے خلاف ان کی مخالف صفات کے ذریعے جہاد کرنا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہر بری صفت کے مقابل ایک اچھی صفت موجود ہے' یہ دونوں متقابل اور متضاد صفات ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتی ہیں۔اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک کسی جگہ پیدا ہو جائے تو دوسری برطرف ہو جاتی ہے۔ مثلاً کفران کی ضد شکر ہے ' جزع کی ضد صبر ہے' تکبر کی ضد تواضع اور عاجزی ہے ' غضب کی ضد حلم ہے ' طمع کی ضد قناعت ہے 'سہوت کی ضد تقوا ہے' ریا کی ضد اخلاص ہے 'کدورت کی ضد پاکیزگی اور طہارت ہے ' بخل کی ضد سخاوت ہے ' حسد کی ضد رضا ہے 'بغض کی ضد محبت ہے ' جب دنیا کی ضد حب آخرت ہے ' غفلت کی ضد توجہ ہے ' جہل کی ضد علم و معرفت ہے ' ظلم کی ضد عدل ہے' بزدلی کی ضد شجاعت اور خیانت کی ضد امانت ہے۔

جس طرح اچھی اور پسندیدہ صفات بری اور ناپسندیدہ صفات میں تبدیل ہو جاتی ہیں اسی طرح انسان کے دل میں پیدا ہونے والی بری اور ناپسندیدہ صفات کو بھی ان کی اضداد میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح اچھی صفات کسی حادثہ کے سبب بری صفات میں تبدیل ہو جاتی ہیں اسی طرح ان بری صفات کے اچھی صفات میں تبدیل ہونے کے لئے بھی سبب کی ضرورت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ 'اور اسکی اطاعت اور ہر قسم کے ظلم وتعدی ' عصیان و مخالفت اور انحراف و گمراہی سے اجتناب اور پرہیز ہے۔

وَوَضَعَ الْمِیزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ۔ الرحمٰن ۸ ـ ۷

(اور اس (اللہ) نے میزان مقرر کیا اور یہ کہ اس میزان کے بارے میں طغیان نہ کرو)

اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ۔ نازعات۔ ۱۸ ـ ۱۷

(فرعون کی طرف جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی پس اسے کہو آیا تم تزکیہ اور پاکیزگی کی طرف آسکتے ہو؟)

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ۔ نازعات ـ ۴۰ ـ ۴۱

(اور جو اپنے رب کے مقام سے خائف ہو اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو اسکا ٹھکانہ جنت ہے)

چوتھا اقدام : توسل اور وسیلہ اختیار کرنا ہے تاکہ اس وسیلہ کے ذریعے یہ صفاتِ خبیثہ سالک کے قلب سے دور ہو سکیں۔توسل کی تین اقسام ہیں:۔

پہلی قسم :۔ توسل باللہ۔جو اذکار ' ادعیہ اور مناجات کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس میں سالک کی قلبی کیفیت اور اس کے اخلاقی مرض کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ ہر ذکر کا ایک خاص مفہوم ہوتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ اسے اس خاص مفہوم سے مناسبت رکھنے والے موقع پر عمل میں لایا جائے اور ضروری ہے کہ ہر مناجات سالک کے حال اور درد سے مناسبت رکھتی ہو۔ مثال کے طور پر سالک اپنے گناہوں اور خطاؤں پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا خواہاں ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے اسم شریف غفار اور غافر کے ذکر پر مداومت ہی مناسب ہے'ایسی صورت میں قہار ' جبار ' منتقم اور قابض جیسے اسماءِ شریفہ مناسب نہیں ہیں۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے لطف اور رحمت کا خواہاں ہو تو رحمٰن 'رحیم اور وہاب جیسے اسماء شریفہ کا ذکر ہی مناسبت رکھتا ہے اور اس مقام پر مذل ' مقسط ' مانع ' ضار ' عزیز اور قابض جیسے اسماء شریفہ کا ذکر مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا اسم الٰہی کو کسی وسیلہ کے طور پر انتخاب کرنے میں مکمل تحقیق اور دقت سے کام لینا ضروری ہے۔ اپنی حالت اور احتیاج' اپنے درد' ضعف اور مرض کی مقدار اور کیفیت کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے اس کے مناسب اور موافق اسماءِ جلیلہ

کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔

البتہ ذکر کی مقدار اور تعداد کے لحاظ سے بہتر اور مناسب یہ ہے کہ اسے سالک کے حال، اسکی توجہِ باطنی اور حضور قلب کی حدود پر چھوڑ دیا جائے' اسے کسی مخصوص تعداد میں محدود کر دینا روحانیت اور سلوکِ لقاء میں نہ صرف یہ کہ موثر واقع نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تھکاوٹ ' اسم اللہ کی عظمت کے منافی اور اسکی توہین کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔

اگرچہ کسی خاص تعداد یا بہت زیادہ مقدار میں اسمِ الٰہی کا ذکر اس کے مناسب طبیعی اثر کا حامل ہوتا ہے لیکن سلوکِ الی اللہ کے مقام میں سالک کی نظر ان طبیعی آثار پر نہیں ہوتی اور اسکا ہمارے موضوع سے تعلق بھی نہیں ہے۔

پس ہروہ ذکر ' ورد ' ختم اور عمل جو کسی معین اور محدود حساب کی بنیاد پر انجام دیا جائے وہ صرف اپنے طبیعی آثار کا حامل ہوتا ہے اور منزلِ کمال کی جانب انسان کے سفر میں مفید نتائج نہیں دیتا بلکہ سلوک میں رکاوٹ اور مانع بن جاتا ہے۔

دوسری قسم :۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب بندوں ' جیسا کہ انبیاء عظام اور آئمہ اطہار علیہم السلام کو وسیلہ قرار دینا' جس طرح سے بھی ممکن ہو جیسا کہ نزدیک سے ان کے مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کرنا یا دور سے زیارت کرنا یا ان پر درود وسلام بھیجنا یا انہیں ہدیہ کرنے کے لئے عبادت کرنا یا صدقہ دینا یا ان سے مدد اور نصرت طلب کرنیکی غرض سے ان کی طرف توجہ کرنا یا ان کی اولاد یا ان کے پیروکاروں کی خدمت کرنا یا ہر دوسری صورت جو ممکن ہو۔

بے شک یہ ہستیاں بہترین وسیلہ اور اسماء وصفاتِ الٰہی کے مظاہر ہیں اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے خلفا اور اسکی حجت ہیں چنانچہ زیارت جامعہ میں ہے۔

وَجَعَلَ صَلَوٰتَنَا عَلَيْكُمْ وَمَا خَصَّنَا بِهِ مِنْ وِلَايَتِكُمْ طِيبًا لِخَلْقِنَا وَطَهَارَةً لِأَنْفُسِنَا

وَتَزْكِيَةً لَنَا وَكَفَّارَةً لِذُنُوبِنَا (اور اللہ نے آپ پر ہماری صلوٰت کو اور آپ کی اس ولایت کو جو اس نے ہمیں نصیب کی ہے ہمارے اخلاق اور نفوس کی طہارت اور پاکیزگی ' اور ہمارے گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے)

تیسری قسم :۔ عبادات کو وسیلہ قرار دینا جیسا کہ نماز اور روزہ کو توجہ اور ظاہری ومعنوی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے انجام دینا اور مستحب نمازوں ' روزوں اور دوسری عبادات کی انجام دہی وغیرہ۔

جب ان عبادات کو خالص محبتِ الٰہی اور بارگاہ خدا میں قرب حاصل کرنے کے قصد سے انجام دیا جائے تو یہ قلب کی نورانیت ' پاکیزگی اور توفیق میں اضافہ کا باعث ہوتی ہیں' ان کے نتیجہ میں انسان کے قلب میں قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ ہر لحاظ سے اپنے نفس سے صفات رذیلہ کو دور کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

پس توسل کی ان تمام اقسام میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اول :۔ توسل کے اعمال خالص نیت سے ' محبت کے ساتھ قرب الٰہی کے مقصد کے پیش نظر انجام دیئے جانے چاہئیں نہ کہ دنیوی مقاصد اور طبیعی آثار ونتائج کے حصول کے لئے۔

دوم۔ اعمالِ توسل کو اپنی حالت اور توجہِ قلبی کی مناسبت سے انجام دینا چاہیے اور ان کے خلاف کسی حد کو اپنے اوپر مسلط نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام میں سے کسی ایک بزرگوار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔

ان للقلوب اقبالا وادبارا فاذا اقبلت تنفلو واذا ادبرت فعلیکم بالفریضۃ

(دل کبھی عبادت پر مائل ہوتے ہیں اور کبھی مائل نہیں ہوتے ۔ پس جب عبادت پر مائل ہوں تو نوافل ادا کرو اور جب مائل نہ ہوں تو فرائض پر اکتفا کرو)

سوم :۔ توسل کے اعمالِ مستحبہ کو فرائض کی ہر لحاظ سے مکمل طور پر بجا آوری کے

بعد عمل میں لانا چاہئے ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ نوافل کی ادائیگی فرائض میں کوتاہی اور نقص کا سبب بنے۔ چنانچہ معصومین سلام اللہ علیھم سے مروی ہے۔

انما تقبل النافلۃ بعد قبول الفریضۃ۔

(نوافل ' فرائض کی قبولیت کے بعد ہی قبول ہوتے ہیں)

چہارم :۔ توسل کے اعمال مستحبہ دوسرے واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنیں۔

دوسرا حصہ : تحلیہ --- یا صفات روحانی کا حصول

جب سالک اپنی مجاہدت اور توفیقِ ربانی کے نتیجہ میں پہلے حصہ یعنی صفاتِ خبیثہ اور اخلاقِ رذیلہ سے اپنے نفس کو پاکیزہ کرنے سے فارغ ہو جائے اور شیطانی طاقتوں پر مکمل طور پر تسلط حاصل کر لے تو دوسرا حصہ یعنی روحانی صفات کے حصول کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ بیانات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ صفاتِ رذیلہ اور اخلاقِ خبیثہ کی پیدائش کا سبب محدود اور تاریک مادی زندگی سے محبت ہے۔ جس قدر سالک دنیا کی محبت سے دوری اختیار کرے گا اور اس سے اپنا تعلق توڑتا جائے گا اسکی اخروی روحانی اور نورانی زندگی کی راہیں ہموار ہوتی جائیں گی۔ اس مرحلہ پر سالک محدود اور تنگ مادی زندگی کے زندان سے آزاد ہو کر روحانی زندگی کی وسیع وعریض اور نورانی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک منور منزل ہے جو مادی دنیا کی آزمائشوں اور پابندیوں سے دور اور آزاد ہے ۔ یہاں سالک روحی کشادگی ' آزادیٔ عمل ' نورانی ماحول اور تسکینِ قلب کے ساتھ ' عالمِ مادی کے اضطراب' وحشت اور مشکلات سے بے تعلق ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور معارفِ الہٰی' حقائقِ غیبی اور روحانی جذبات سے آشنا ہونے اور ان کا علم حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ نتیجۃً عالمِ روحانی کی مخصوص خصوصیات اور صفات کے باعث سالک کے دل میں کچھ صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر کفر اور ابلیس

کے لشکر پر فتح کا مقام آشکار ہو جاتا ہے اور ایمان میں عین الیقین کے مرتبہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ قصص ۔ ۸۳

(ہم آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے قرار دیں گے جو زمین میں برتری اور فساد نہیں چاہتے اور عاقبت متقین کے لئے ہے)

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ۔ مومن ۔ ۳۹

(یہ دنیوی زندگی تو صرف ایک مختصر لذت ہے اور آخرت کا گھر ہی پائیدار گھر ہے)

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً۔ حدید ۔ ۲۷

(اور جن لوگوں نے ان (پیغمبر) کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں محبت اور رحمت ڈال دی)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ۔ بقرہ۔ ۲۲۱

(اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے جو اسکی اجازت سے ملتی ہیں)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ۔ یونس ۔ ۲۵

(اور اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے)

بے شک عالمِ آخرت میں خودبینی' بزرگ منشی اور تکبر جیسی چیزوں کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ وہاں فساد ' تخریب کاری اور بدنیتی کا وجود نہیں۔ وہاں دائمی اور لازوال زندگی کی جگہ ہے' وہاں دلوں پر مہرومحبت کے جذبات کی حکمرانی ہوگی اور نفاق 'کدورت اور اختلاف نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ وہاں گزشتہ غلطیاں اور خطائیں بخش دی جائیں گی۔ سرکشی اور نافرمانی کا نام ونشاں تک نہیں ہوگا۔ وہاں صلح وصفا کا ماحول ہوگا جہاں کدورت' دل تنگی اور بے آرامی نہیں ہوگی۔ پس

اس قسم کے روحانی ماحول کا تقاضا یہی ہے کہ ہر انسان کے حالات اور صفات بھی اس ماحول کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ عالمِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور لامحدود حاکمیت واضح اور آشکار ہو جائے گی اور کسی کو خودبینی، خودنمائی، خودستائی، فخرومباہات اور تکبر کی مجال نہیں ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی مقدس اور باعظمت بارگاہ میں ہر انسان میں فروتنی، خضوع و خشوع، حقیقی خوف و خشیت اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تجلیل ظاہر ہو جائے گی۔

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ۔ حج ۔ ۵۶

(اس دن حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو گی جو ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔)

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَہٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا ھَمْسًا

(اس دن وہ اس بلانے والے کی پیروی کریں گے جس میں کوئی کجی نہ ہو گی اور آوازیں رحمٰن کی بارگاہ میں جھک جائیں گی پس تم سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنو گے) طٰہٰ:۱۰۸

اس دن تمام پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتیں سامنے آجائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اور فیصلہ ظاہروباطن میں اس طرح جاری اور نافذ ہو گا کہ کسی قسم کی بدنیتی، نفاق، تخریب کاری اور فساد کے ارادے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور پاکیزگی، حیا، عزم راسخ، وفا، سچائی، تقوا اور حلم جیسی صفات ظاہر ہو جائیں گی۔

یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِرُ فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ۔ الطارق ۹، ۱۰

(جس دن تمام پوشیدہ راز برملا ہو جائیں گے پس اس (انسان) کے لئے کوئی قوت اور مددگار نہ ہو گا)

فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ نسا ۔ ۱۴۱ (پس اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا)

اس روز حقیقی اور لازوال زندگی ظاہر ہو جائے گی۔ حقیقت اور احکامِ حق کسی حجاب اور رکاوٹ کے بغیر جاری اور نافذ ہوں گے۔ پس اضطراب، وحشت،

تزلزل، تردید، شک، بے جا آرزوئیں، ناجائز خواہشات، جلد بازی اور کمزوری نیست و نابود ہو جائیں گی اور اطمینان، صبر، یقین، سرور، حیات، تفکر اور ادب جیسی صفات جلوہ نمائی کریں گی۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اعراف ۔ ۸

(اس دن وزن حق ہو گا پس جس کے موازین سنگین ہوں گے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ عنکبوت ۔ ۶۴

(بے شک آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی رکھتا ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوں)

اس روز حق اور روحانیت پر ثابت قدم اور مطمئن نفوس، لقاء اللہ کے لئے مستعد ہوں گے اور مکمل توجہ اور خلوصِ نیت کے ساتھ روحانی دنیا میں زندگی گزاریں گے۔ اس حالت کے تقاضوں کے پیش نظر توکل، تفویض، تسلیم، رضا، اخلاص، کشادگیٔ نفس، فنا، شہود اور ارتباط جیسی صفات رونما ہو جائیں گی۔

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً۔ فجر ۲۷، ۲۸

(اے نفس مطمئن اپنے رب کی طرف رجوع کر اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے)

پس جو شخص عالمِ لقا کی طرف سفر کرتا ہے اور لازوال روحانی زندگی کا خواہشمند ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے اندر ایسی ہی صفات پیدا کرے جو اخروی زندگی کے ساتھ مناسبت رکھتی ہوں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سالک ان حالات وصفات کو ان راہوں اور طریقوں سے جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں اپنے نفس میں پیدا کرے تاکہ قیامت کے دن سے پہلے اسی زندگی میں اپنے اختیار سے مادی دنیوی زندگی سے دستبردار ہو کر ماورائے مادہ، عالمِ آخرت تک پہنچنے کی توفیق حاصل کر لے، بلکہ لقاء اللہ کے عظیم مقام پر فائز ہونے کا شرف حاصل کر لے۔

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا۔

(جو اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو وہ عمل صالح انجام دے اور کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ بنائے) کہف۔ ۱۱۰

یَاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ۔ انشقاق۔ ۶

(اے انسان تو اپنے رب کی طرف سخت محنت کا سفر کرنے کے بعد اس سے ملاقات کرے گا)

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ۔ بقرہ ۴۵۔ ۴۶

(اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو اور یہ بہت بڑی بات ہے سوائے ان خشوع کرنے والوں پر جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔)

ان تین آیاتِ کریمہ میں لقاء اللہ کی عظیم الشان منزل کے مسافروں کے لئے چند مقدمات بیان کئے گئے ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ عملِ صالح۔ اس سے مراد تمام آداب و فرائض اور عقلی و شرعی اعمال ہیں جنکا مختصر ذکر دوسرے مرحلے میں گزر چکا ہے۔

۲۔ اخلاص در عمل :۔ اخلاص عمل کی روح ہے اور کسی بھی عمل کی قدر و قیمت کا دارومدار اسکی روح پر ہوتا ہے اور اس صفت کا تحقق صفات روحانی کے حصول کے بیان میں اجمالاً معلوم ہو چکا ہے۔

اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کو صرف اور صرف اطاعتِ الٰہی اور عبودیت و بندگی کے جذبے کے تحت انجام دیا جائے۔ اس کے علاوہ ہر غرض، نظریۂ فکر اور نیت مثلاً کسی دنیوی مقصد کا حصول، خودنمائی، شہرت طلبی یا کسی اور فائدے کا لالچ عمل کو ناخالص بنا دے گا۔

اسی طرح روحانی اغراض مثلاً جنت اور اسکی لازوال نعمتوں یا عبادات کے طبیعی آثار و نتائج مثلاً نورانیت اور مکاشفہ وغیرہ بھی اخلاص کے خلاف ہیں جب

تک کوئی عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے انجام نہ دیا جائے وہ اخلاص کے زیور سے مزین نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں لقاءاللہ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ الزمر۔ ۳ (خبردار! خالص بندگی اور اطاعت اللہ کے لئے ہے)

۳۔ مجاہدہ اور کوشش :۔ یہ کوشش اور مجاہدہ خواہ اختیاری ہو یا قہری، لقاء اللہ کے لئے ضروری ہے، اس لئے کہ جب تک انسان مادیات کی زنجیر توڑ کر عالمِ طبیعت کے حصار سے آزاد نہ ہو جائے، وہ اپنی ماورائے مادہ منزلِ مقصود یعنی منزلِ لقاء اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

مختصر یہ کہ مجاہدہ اور کوشش کے بغیر اس راہ میں کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔

۴۔ صبر۔ صبر ان اہم اور لازمی امور میں سے ہے جو اس راہ میں بہت ضروری ہیں۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں صابر، حلیم اور متحمل مزاج ہو۔ مختلف حوادث، حالات کی تبدیلی، لوگوں کے باہمی اختلافات، متضاد نظریات زمانے کی مشکلات اور دنیا کی رنگینیوں کے سامنے پہاڑ کی طرح راسخ اور ثابت قدم ہو، اس کے قدموں میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہ ہو اور وہ ان تمام امور سے متاثر ہوئے بغیر پوری قوت اور توجہ کے ساتھ اپنی منزل کیطرف گامزن رہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ فصلت۔ ۳۰ (وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف اور حزن نہ کرو اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے)

بے شک صبر کو وہی مقام حاصل ہے جو ماہیات میں وجود کو حاصل ہے۔ آغازِ سلوک سے آخر تک کوئی عمل اس وقت تک مفید اور ثمر بخش نہیں ہو سکتا جب تک وہ صبر کے ہمراہ نہ ہو۔

مبدا ومعاد کی تحقیق میں صبر ضروری ہے۔ عبادات اور فرائض کی انجام دہی صبر وحوصلہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ محرمات سے اجتناب اور انہیں ترک کرنے کے لئے صبر واستقامت اشد ضروری ہے۔ نفس کو صفاتِ رزیلہ سے پاک کرنے کے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں۔ صفات حسنہ کا حصول صبر واستقامت کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی طرح ان مراحل ومنازل کی تمام جزئیات یا کلیات میں صبر بہت ضروری عنصر ہے، ذرا سی بے صبری اور عدمِ استقامت طویل مجاہدات اور عبادات کو بے اثر بنا دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ صبر کے بغیر کوئی کام بھی حد کمال تک نہیں پہنچ سکتا اور ثمر بخش اور مفید نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صبر اور صابر کے بڑے عجیب آثار بیان ہوئے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ۔ بقرہ۔ ۱۵۳ (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ۔ بقرہ۔ ۱۵۵ (اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجئے)

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ۔ آل عمران۔ ۱۴۶ (خدا صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ یوسف۔ ۱۸ (پس صبر ایک جمیل عمل ہے)

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ رعد۔ ۲۴

(تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلامتی ہے پس اس زندگی کا انجام اچھا ہے)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُوْرًا۔ دھر۔ ۲۴

(پس اپنے رب کے حکم پر صبر سے عمل کیجئے اور ان میں سے کسی گناہ کار یا کافر کی اطاعت نہ کیجئے)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ احقاف۔ ۳۵

(پس اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر کیجئے)

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ زمر۔ ۱۰

(صبر کرنے والوں کو انکا اجر بے حساب دیا جائے گا)

ہ۔ صلواۃ یا نماز

نماز اہم ترین عبادت ہے، یہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق قائم کرنے کے لئے جامع ترین عمل ہے۔ نماز ایک ایسا مرکب ہے جس میں اللہ کی بارگاہ میں بندگی اور عبودیت کے اظہار کے تمام طریقے پائے جاتے ہیں۔

نماز میں کیا ہوتا ہے؟ طہارت اور آمادگی کے بعد اللہ تعالیٰ کی تکبیر، اسکی حمد وثنا، اسکی توصیف اور تجلیل، عبادت میں اسکی توحید، ہدایت کی دعا، توحید ذات وصفات، تسبیح، خضوع اور مکمل سجدہ اور پھر ان سب کا تکرار، یہ ہے نماز۔ پس اگر سالک اس عبادت کو تمام شرائط سمیت پوری توجہ کے ساتھ انجام دے تو عملاً وہ تمام مراحلِ سلوک کو انجام دے دیتا ہے۔ اسی لئے تو اس سے متعلق کہا گیا ہے کہ **إِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ** ۔ یہ بہت بڑی چیز ہے سوائے ان پر جو خشوع کرنے والے ہیں **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔** مومنون ۱، ۲

(یقیناً وہ مومن فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں)

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ ماعون ۴، ۵

(ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں)

پس ان بیانات سے یہ بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ سالک عبادات، اطاعت، تہذیبِ نفس، توسل، استعانت اور توجہ میں مجاہدات کے نتیجہ میں مادی زندگی سے جس قدر دور ہو گا اور جس قدر دنیا کی محبت اس کے دل سے کم ہو گی اسی تناسب سے وہ آخرت اور اخروی زندگی کا دلدادہ ہو جائے گا اور اس معنوی، نورانی زندگی سے مناسبت رکھنے والی روحانی صفات اسکے نفس میں بڑھتی چلی جائیں گی۔

اس مرحلہ میں سالک حتی الامکان یہ کوشش کرتا ہے کہ انتہائی کوشش اور مجاہدہ کو بروئے کار لا کر یہ اطمینان حاصل کر لے کہ وہ تزکیۂ نفس کے مرحلہ کو کامیابی سے طے کر کے قلبی پاکیزگی اور باطنی طہارت حاصل کر چکا ہے۔

اس بات پر بھی توجہ ہونی چاہئے کہ طہارتِ نفس ایک بہت عظیم الشان مقام ہے، اگر سالک اس مقام پر پہنچ جائے تو خیرو رحمت و معرفت و نور کے دروازے اس پر کھل جائیں گے اور وہ عالمِ بالا سے تعلق پیدا کرے گا۔

وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ مائدہ ـ ٦

(لیکن اللہ تمہیں پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے)

مرحلۂ چہارم

محوِ انانیت اور حالت فنا کا حصول

جب سالک اس مرحلہ پر قدم رکھتا ہے تو اسکے دل میں کسی قسم کی کدورت، ظلمت، آلودگی اور مرض باقی نہیں رہتا۔ اس منزل پر سالک کا دل پاکیزگی، طہارت، محبت، نورانیت، عالم بالا سے عشق، روحانیت، الٰہی جذبات کی مٹھاس، حضورِ قلب اور خشوع کی طرف توجہ --- معارف اور حقائق سے لطف اندوزی اور خداوند مہربان سے انس اور اسما وصفاتِ الٰہی کے ادراک کے شوق سے سرشار ہو جاتا ہے۔

یہ عالمِ ماورائے مادہ میں سفر کا آغاز ہوتا ہے، یہاں سے ایمان کا دوسرا مرتبہ عین الیقین ۔ شروع ہوتا ہے یہ منزل يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (وہ (رسول) انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے) کا مقام ہے۔یہاں سالک اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کی طرف توجہ اور انانیت ابھی تک اس کے باطن میں باقی اور سرگرمِ عمل ہے، اور یہ کہ جب تک یہ انانیت باقی ہے حق کے غیر محدود نور کا شہودِ کامل ممکن نہیں ہو سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ گزشتہ مرحلہ میں مادی زندگی کی محبت سالک کے دل سے زائل اور برطرف ہو چکی ہوتی ہے۔ اموال ۔ اولاد ۔ مساکن ۔ مادی عنوانات اور خیالی لذتوں اور خواہشات سے تعلق کی نوعیت تبدیل ہو چکی ہوتی ہے اور یہ تعلق ایک روحانی تعلق میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے ۔ یعنی اگر مادی امور سے کوئی تعلق ہوتا ہے تو وہ روحانی مقاصد کے حصول، قربِ الٰہی اور لقاءاللہ کے سفر کے ذریعہ کے طور پر ہوتا ہے۔ پس سالک کی توجہ اور براہ راست تعلق صرف روحانی زندگی کی طرف ہوتا ہے۔ دنیوی امور کی طرف اسکی توجہ صرف اس

لئے ہوتی ہے کہ یہ روحانی زندگی کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اس مرحلے میں صرف ایک چیز باقی رہ جاتی ہے جسے برطرف کرنا ہوتا ہے اور وہ اپنے نفس سے تعلق ہے۔ یہ تعلق اس قدر گہرا اور مستحکم ہوتا ہے کہ گویا شدت ظہور کی وجہ سے مخفی ہوتا ہے۔

حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

ترجمہ: اے حافظ تو خود اپنا حجاب ہے لہٰذا درمیان سے اٹھ جا۔

اب تک سالک کا ہر قدم ' ہر عمل ' ہر مجاہدہ ' ہر نیت اور ارادہ جو اخروی اور روحانی زندگی ' رحمتِ الٰہی ' نورانیت فیوضاتِ غیبی ' قربِ خداوندی اور لقاء اللہ تک رسائی کے لئے تھا ' درحقیقت اسکی اپنی ذات کے لئے تھا۔ بالفاظ دیگر سالک کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود ' اور اسکی ذات ان مقامات اور فیوضات کو حاصل کرلے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اسکی ذات مقربین بارگاہِ الٰہی میں سے ہو جائے وہ اپنی ذات کو لقاء اللہ کی عظیم الشان منزل پر دیکھنے کا خواہشمند تھا ' وہ خود ان نفسانی اور روحانی کمالات تک رسائی کا آرزو مند تھا۔

پس ان تمام مراحل میں اسکی اپنی ذات مدنظر تھی۔ یہ تمام مقاصد اور اہداف اسکی اپنی ذات کا نصب العین تھے اور بذات خود مطلوب نہ تھے۔ سالک کا تمام سرور ' تمام شوق و شغف اور محبت اس بات سے تعلق رکھتے تھے کہ وہ خود کمال پر فائز ہو جائے ' وہ خود کامیابی حاصل کرلے ' وہ خود وصال و معرفت کی منزل پر پہنچ جائے۔ اگر یہ کمالات کسی اور کو حاصل ہو جاتے تو وہ ایسی خوشی اور سرور محسوس نہ کرتا۔

پس چاہئے تو یہ کہ سالک کا مطلوب اور محبوب اس ہدف کا وقوع اور ظہور ہو جو اسکی ذات سے مشروط اور مقید نہ ہو۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص خالص نیت اور پاکیزہ ارادے سے یہ چاہتا ہو کہ کسی خاص

موضوع پر کوئی اچھی سی کتاب لکھی جائے تو اسے اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہئے کہ ضرور وہ خود ہی اس کتاب کی تالیف کا اعزاز حاصل کرے بلکہ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ کسی اور شخص نے ایسی کتاب لکھ دی ہے تو اسے اتنی ہی خوشی ہونی چاہئے جتنی خود اسکے ایسی کتاب لکھنے پر ہوتی۔اس لئے کہ اسکا مقصد یہی تھا کہ ایسی کتاب لکھی جانی چاہئے چاہے لکھنے والا کوئی بھی ہو۔

پس اس مرحلہ پر لازم اور ضروری ہے کہ دو حصوں میں بحث کی جائے۔

اول۔ اس حجابِ اکبر کو برطرف کرنے کے لئے کئے جانے والی کوشش اور مجاہدت کی خصوصیات اور کیفیات کے بیان میں۔

دوم۔ اس مجاہدت میں کامیابی کے بعد رونما ہونے والے آثار ' حالات اور صفات کے بیان میں۔

اول۔ حجاب نفس کی برطرفی

یہ حجاب جو راہ حق کی سب سے بڑی رکاوٹ اور منزل لقاءاللہ تک پہنچنے کے لئے سالک کا آخری حجاب ہے ' اسے برطرف کرنے کے لئے کئی راستے اپنائے جا سکتے ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف قلبی توجہ۔

یہ توجہ اس عمومی توجہ اور تذکر سے مختلف ہے جو ہر حال میں سالک پر لازم ہے۔اس سے مراد ایسی توجہ ہے جس میں سالک ہر طرف سے قطع نظر کر کے حضور قلب اور خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

ابتداء میں یہ توجہ سالک کے اختیار میں ہوتی ہے اگر یہ توجہ تمام شرائط اور مقتضیات کے ساتھ ' محبت،خلوص اور طہارت کے ہمراہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی توجہ اور اسکا فیض بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے ۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان یہ توجہ کیفیت ' شدت اور قوت کے لحاظ سے بہت مختلف ہوتی ہے اور ہر

درجہ کے لحاظ سے سالک کو ایک خاص لطف اور ایک مخصوص فیض نصیب ہوتا ہے۔ اگر یہ توجہ مناسب حال میں ' تنہائی میں ' نماز کے بعد اور مناسب ذکر کے ہمراہ ہو تو بہتر ہوگا۔

پس سالک کی یہ توجہ جو سلوک کی تمام شرائط اور خصوصیات کے ساتھ انجام پاتی ہے اسکا نتیجہ ان چار میں سے کسی ایک صورت میں رونما ہوگا۔

۱۔ حالتِ توجہ میں توحیدِ ذاتی کی حقیقت اور اسکے شہود کا جلوہ۔
۲۔ توحیدِ صفاتی کی حقیقت اور شہود کی معرفت۔
۳۔ توحیدِ افعالی کی حقیقت اور شہود کی معرفت۔
۴۔ فنائے نفس کی حقیقت کی معرفت' جیسے بھی مناسب ہو۔

اب ان کی تفصیل :۔

توحیدِ ذاتی :۔ اس میں سالک ایک ایسے لامحدود اور نامتناہی ' مجرد اور روحانی نور کا مشاہدہ کرتا ہے جو کسی قسم کی ذاتی حد ' قید اور وصف نہیں رکھتا۔ جب اس نور کا اجمالی یا تفصیلی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو کائنات کی تمام اشیاء چاہے مادی اور مادہ میں محدود ہوں یا غیرمادی اور زمان ومکان میں یا ذاتی حد میں محدود ہوں ' سب کی سب سالک کو اس لامحدود نورِ حق کے سامنے سراب اور سائے کی مانند نظر آئیں گی جس کا نہ تو وجود ہوتا ہے اور نہ ہی ماہیت ۔ **ھوالاول والاخر والظاھر والباطن۔**

اس گہری ' تیز اور حقیقت بین روحانی نظر سے سالک تمام موجودات کو اس محیط ' لامحدود ' قادر ' عالم اور حی وقیوم نور کے سامنے فانی ' محو ' بے اثر اور پانی کی موج یا بلبلے کی مانند پائے گا۔ **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ**

اگر اسکے لئے کوئی مثال بیان کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی متمول کے مالِ کثیر کی مانند ہے جو ہزار افراد میں تقسیم کیا گیا ہو کہ اسے امانت کے طور پر ایک مقررہ مدت تک اپنے پاس محفوظ رکھیں ' یا سمندر کے پانی کی مانند ہے جو سمندر کے پھیلاؤ کے وقت ہزاروں دریاؤں ' نہروں اور چھوٹے بڑے نالوں اور چشموں میں

پہنچ کر بہنے لگتا ہے اور جب یہ پھیلاؤ ختم ہوتا ہے تو یہ سارا پانی سمندر میں لوٹ جاتا ہے۔ **سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔**

یہ مثالیں بہت ضعیف ہیں اور اس بارے میں جو کچھ کہا جائے وہ حقیقت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا بلکہ صرف حقیقت کو کسی حد تک ذہن کے قریب لاتا ہے۔

مختصر یہ کہ جب سالک اس حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے' جسے تحریر وتقریر سے بیان نہیں کیا جا سکتا' اور اسکے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے وہ اسکی حقیقت سے مختلف اور مغائر ہے ' تو سالک دوسرے موجودات سے پہلے اور ان سے بڑھ کر اپنے وجود کو محو ' فانی ' ناچیز ' بے اثر اور قدرت وقوت سے تہی دست پاتا ہے۔ اس مقام پر وہ اپنے نفس کے موہوم ' حباب اور محض ایک تصویر ہونے سے آگاہ ہو کر اپنی انانیت کو برطرف کر دیتا ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

توحیدِ صفاتی :۔ یہاں پر سالک گزشتہ شرائط اور خصوصیات کے ساتھ ' مکمل اور خالص روحانی توجہ کے ساتھ ایک ایک کر کے تمام اسما وصفاتِ الٰہی کو یا چند صفاتِ امیلہ یعنی قدرت ' علم ' حیات اور ارادہ کو زیرِ غور قرار دیتا ہے۔البتہ یہ توجہ مجرد اور لامحدود نور پر توجہ کے ضمن میں ہونی چاہئے۔

چونکہ اللہ تعالٰی کی صفات عینِ ذات ہیں ' زائد برذات نہیں ہیں بلکہ ان کا تعدد اعتباری اور تفہیم وتفاہم کی سہولت کی خاطر ہے لہٰذا ان صفات کی حقیقت بھی وہی مجرد اور لامحدود نور ہے' اور صرف توجہ کے وقت ان میں فرق ہوتا ہے۔ گویا سالک اسی نور کی طرف توجہ کرتا ہے جو کبھی اس کے احاطہ کے لحاظ سے' کبھی حیات کے اعتبار سے 'کبھی علم 'قدرت' ارادہ یا کسی اور حیثیت سے ہوتا ہے۔

حقیقت وہی ہے جسے امیر المومنین علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ **کمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ۔** یعنی "اللہ تعالٰی کے لئے اخلاص اس

وقت مکمل ہوتا ہے جب اس سے صفات کی نفی کی جائے۔" نہج البلاغہ۔

پس اگر اس ذات کی طرف صفتِ علم کے حوالے سے توجہ کی جائے تو یہ بات مشاہدہ میں آئے گی کہ ایک لامحدود اور غیر متناہی نور، علمی لحاظ سے کائنات کی تمام اشیاء کے تمام ظواہر اور بواطن پر اس طرح محیط ہے کہ چھوٹا سا ذرہ بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ جس طرح خداوند کریم کی ذاتِ مقدس کی طرف توجہ کے دوران یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور مجرد، لامحدود اور لامتناہی ہے بعینہ اسی طرح اسکی صفات بھی جو عین ذات ہیں، بسط نور اور تجلی و افاضہ میں، لامحدود ہونے کی خصوصیت کے ساتھ ظاہر اور متجلی ہوتی ہیں۔

بے شک نورِ متعال کا پھیلاؤ جو لامتناہی تک نافذ ہوتا ہے اس نور کی صفات ثابتہ بھی نفوذ کے ہر مقام پر اور اس نور کے پھیلاؤ کے لحاظ سے اسی طرح موجود اور محقق ہوتی ہیں۔

پس جس طرح ہمارا وجود مستقل نہیں ہے بلکہ ظلی اور سرابی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح ہماری روحی صفات بھی، جو ہماری ذات کے تابع ہیں کوئی استقلال نہیں رکھتی ہیں۔

اس مقام پر سالک کی انانیت کی ایک اور بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ بقرہ ۱۱۵

(تم جس طرف بھی توجہ کرو وہاں اللہ کا جلوہ نمایاں ہے بے شک اللہ وسعت دینے والا اور جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ نُورًا" وَعِلْمًا مومن ۵

(اے ہمارے رب تیرا نور اور علم ہر چیز پر محیط ہیں۔

توحید افعالی: اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذات و صفات الٰہی کی طرف توجہ کے ضمن میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال درحقیقت اس کی صفات کا ظہور ہیں۔ یوں یہ افعال تیسرے درجہ پر واقع ہوتے ہیں اور صفاتِ ذات

کے نامتناہی نقطہ تک پھیلے ہوئے اور ظاہر و متجلی ہوتے ہیں۔

یہاں بھی سالک پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے افعال کو ہی استقلال حاصل ہے اور دوسروں کے تمام افعال ظلی اور سرابی حیثیت رکھتے ہیں۔

البتہ یہ چیز بندوں کے اختیار سے منافات نہیں رکھتی اس لئے کہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کے ارادہ، قدرت اور اختیار کا جلوہ ہے جو ظلی اور سرابی صورت میں بندوں کے ظلی اور سرابی وجود میں متجلی ہوتا ہے۔ بندوں کا اختیار مطلق نہیں ہے، بلکہ اسکے وجود اور قدرت کی حدوں میں محدود ہے اور **لاجبرولاتفویض** کے اجمالی معنی یہی ہیں۔

حقیقت فنا کو سمجھنے کے لئے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سالک کی یہ توجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ جب یہ رابطہ اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور سالک فیوضاتِ ربانی کو قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد حاصل کر لیتا ہے تو قہرا" اللہ تعالیٰ کے الطاف و رحمات و فیوض اس پر نازل ہوتے ہیں، اسکی دعا مستجاب ہوتی ہے، اسکی حاجت بر آتی ہے اور تاریکی، ابہام اور مشکلات برطرف ہو جاتی ہیں اور انسان **وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** بقرہ۔ ۲۱۲

(اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں علم عطا کرے گا اور اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے) کا مصداق بن جاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جواد، کریم اور رحمٰن ہے اور جب بھی قبولیتِ فیض کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اسکی طرف سے بخل کا تصور بھی محال ہے۔ پس مشکلات کو دور کرنے اور حجابِ نفس کو برطرف کرنے کے لئے، اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنا اور اسکا قرب حاصل کرنا بہترین وسیلہ ہے۔ یقیناً اس قسم کے مقاصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جیسے اسکی حکمت کا تقاضا ہو، ضرور پورے ہوتے ہیں۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ بقرہ ـ ۱۱۲

(جی ہاں جو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور نیکو کار ہو تو اسکا اجر اس کے رب کے پاس ہے)

۲۔ حجاب نفس کو برطرف کرنے کا دوسرا راستہ:

اگر سالک قلبی توجہ کے ذریعے حجابِ نفس کو برطرف کرنے میں کامیاب نہ ہو تو وہ فکرواستدلال کا راستہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اسکا اجمالی بیان یہ ہے کہ وہ اس طرح غوروفکر کرے کہ اللہ تعالیٰ مادی حدود نہیں رکھتا' کسی زمان ومکان میں محدود نہیں ہے۔ اسی طرح ذاتی اور وجودی حدود سے بھی بالاتر ہے۔ اسکی ذاتِ مقدس کا نور لامحدود اور لامتناہی ہے۔ اسکی صفات اور اعمال بھی لامحدود اور لامتناہی ہیں۔ وہ ازلی' ابدی اور حی مطلق ہے۔

اس کے برعکس میں مادی' ذاتی اور زمانی ومکانی حدود میں محدود ہوں۔ میری صفات اور قوتیں محدود ہیں' میں بے حد عاجز' ضعیف' محتاج اور فقیر ہوں اور ایک منٹ کے لئے بھی ان حدود اور احتیاجات سے آزاد نہیں ہو سکتا ہوں۔ میں خوراک' رہائش' لباس اور آرام سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہوں۔ میں حوادث پر مسلط نہیں ہو سکتا ہوں۔ اپنے اعضاوجوارح اور جسمانی قوتوں' نور' حرارت اور ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہوں۔ تو کیا میرا یہ وجود جو ہر لحاظ سے محدود اور فقیر ہے' مستقل ہو سکتا ہے؟ کیا ایک سیکنڈ کے لئے بھی میں اپنے آپ پر انحصار کر سکتا ہوں؟ کیا ایک سیکنڈ کے لئے بھی میں بے نیازی کا مظاہرہ کر سکتا ہوں؟ اور یہ سب کچھ جسکا میرا وجود سخت محتاج ہے' کس کی طرف سے ہے؟ اور میں خود کس کی طرف سے ہوں؟ میری تکوین' میرا تسویہ' میرے مقدرات اور معیشت کہاں سے اور کس کی طرف سے ہیں؟

میں جو ہر لحاظ سے ناچیز اور سراپا فقرواحتیاج ہوں' کیا یہ صحیح ہے کہ میں

انانیت اور خودستائی کے قابل ہوں؟ وہ بھی ایسے عظیم' صاحبِ جلال اور لامحدود پروردگار کے سامنے جو ہر چیز کا مالک ہے' میں اس کے فیوض ورحمات کے سامنے ذرے سے بھی ہزارہا درجہ کم تر ہوں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ بقرہ ـ ۱۱۵

(مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں تم جس طرف بھی رخ کرو وہاں اللہ کا جلوہ نمایاں ہوگا)

اور عجیب بات تو یہ ہے کہ میں خود بھی وجہ اللہ کا ایک چھوٹا سا ذرہ ہوں۔

پس ان تمام حالات اور شرائط میں اگر میں اپنے نام اور اپنے عنوان سے' اپنی قوتوں سے اور اپنے لئے سرگرم عمل رہوں تو بہتر ہے یا خداوندِ حکیم ومہربان کے نام سے؟

آیا ایک مملوک' فقیر' تہی دست' عاجز' ضعیف' محدود اور مقید بندہ اپنے مالک سے قطع تعلق کر کے' اسکی اطاعت سے منہ موڑ کر' اپنی محدود اور ناچیز توانائیوں کے ساتھ اور سراپا فقرواحتیاج ہوتے ہوئے اپنی زندگی کا مالک ومختار ہو سکتا ہے؟ آیا اسکی خیروصلاح اور فائدہ اس میں نہیں ہے کہ جان ودل سے مکمل خلوص ومحبت اور صفاووفا کے ساتھ اپنے کریم اور مہربان' آگاہ' مدبر اور عادل مولا کی بارگاہ میں عبادت اور خدمت کا فریضہ انجام دیتا رہے۔

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ یس ـ ۲۲

(اور مجھے کیا ہے کہ میں اس ہستی کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا۔ نحل ۷۵۔

(اللہ نے ایک مملوک بندے کی مثال بیان کی جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور جسے ہم نے اپنی طرف سے رزق دیا)

۳۔ حجاب نفس اور انانیت کے خلاف جہاد کا تیسرا راستہ۔ یہ وہی تیسرا راستہ ہے

جو نفس کو صفات رذیلہ سے پاک کرنے کے لئے بیان ہو چکا ہے، یعنی اضداد کے ذریعے علاج کرنا۔

اسکی وضاحت یہ ہے کہ انانیت کو کمزور اور ختم کرنے کے لئے عملاً اس کے اضداد کے ذریعے اس کے خلاف جنگ کی جائے۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں "من" اور "انا" سامنے آجائے وہاں چاہے زحمت اور تکلف ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے، اسکا ذکر نہ کیا جائے بلکہ صرف اس مطلب کا ذکر کر دیا جائے جسکا بیان مد نظر ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے نام یا کسی بندۂ خدا کے نام سے اسکا تذکرہ کیا جائے اور اگر یہ طریقہ مسلسل استعمال ہوتا رہے تو انانیت کی قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر کار اسکا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ البتہ مجاہدِ سالک پر لازم ہے کہ ان سب طریقوں سے استفادہ کرے، ان سب پر عمل کر کے ان سے نتیجہ اور فائدہ حاصل کرے۔ اس مرحلہ میں اس بات کو ضرور یاد رکھے کہ اسکا سب سے بڑا اور سب سے طاقتور دشمن اس کا باطن میں موجود ہے جو انانیت اور حب ذات ہے۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا فرمان ہے۔

اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک

(تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے)

وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ حشر۔ ۹

(اور جو خود پسندی سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

جب سالک اس معرکہ میں فتحیاب ہو جاتا ہے اور شرک، خود پرستی اور خود خواہی کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں تو سالک عالمِ نور اور حقیقتِ توحید میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر یہ جہادِ اعظم یعنی نفس کے خلاف جنگ، فتح وظفر کی حالت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی کچھ خطرات بھی باقی رہ جاتے ہیں جنکا پوری توجہ اور احتیاط سے مقابلہ کرنا ضروری ہے۔

اس مقام پر نفس جو کہ بظاہر شکست کھا چکا ہوتا ہے، وسوسہ گری اور شکوک وشبہات پیدا کرنا شروع کر دیتا اور ضروری ہے کہ انہیں صرف اور صرف نور الٰہی کی طرف توجہ کے ذریعے برطرف کیا جائے۔

اس کے بعد سالک کا سب سے بڑا روحانی فریضہ خداوندکریم کے نورِ عظمت وجلال کی بارگاہ میں پوری طرح حاضر اور متوجہ ہونا ہے چھوٹی سی غفلت، کاہلی اور بے ادبی کسی بڑے خطرے یا عذاب کی وجہ بن سکتی ہے۔

حالت فنا کے حصول اور حجاب نفس کے برطرف ہونے کے بعد کے حالات اور صفات

اس مرحلہ میں سالک کے تمام بیرونی اور اندرونی حجاب برطرف ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ صفا ومحبت اور نور کے ماحول میں داخل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی توجہ اور اس کے فضل وکرم سے یہ مراحل پایہ تکمیل پہنچ چکے ہوتے ہیں:۔

توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان۔
صفاتِ رذیلہ اور اخلاقِ خبیثہ سے نفس کی پاکیزگی۔
صفاتِ روحانی سے نفس کو آراستہ کرنا۔
عالمِ آخرت کی زندگی کے لئے تیاری۔
انانیت اور حجاب نفس کی برطرفی۔

یہاں پر سالک فکر ونظر کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر پورا یقین اور ایمان رکھتا ہے، اس کے بنائے ہوئے خلیفہ کے سامنے مکمل پر فرمانبردار اور اطاعت گزار ہوتا ہے، عمل کے لحاظ سے مکمل طور پر اسلامی قوانین کا پابند ہوتا ہے اور قلبی لحاظ سے صفاتِ خبیثہ سے پاک ہو کر خود پسندی سے دور ہو چکا ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۔ احزاب ۴۳۔ ۴۴

(اللہ وہی تو ہے جو تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور اسکے فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لے آئے اور وہ مومنین پر رحیم ہے اور جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے ان کی دعا سلام ہو گا اور اس نے ان کے لئے پسندیدہ اجر تیار کر رکھا ہے)

جو مومنین ایمان رکھتے ہوں اور اللہ تعالٰی کے احکام پر عمل پیرا ہوں وہ اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے صفاتِ خبیثہ کی ظلمتوں سے نکل کر نور کے ماحول میں پہنچ کر اسکی رحمت اور عطوفت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔

مقام لقاء اللہ پر فائز ہونے کے بعد مومنین کی زندگی اللہ تعالٰی کی طرف سے سلامتی سے بھرپور ہو گی یعنی وہ تمام ظاہری اور باطنی آلائشات سے پاکیزہ اور ہر لحاظ سے فلاح وبہبود کی زندگی بسر کریں گے۔

تحیت کے معنی زندگی عطا کرنے کے ہیں 'خواہ قولی ہو یا فعلی یا عطیہ۔ اور یہ تحیت اسکی سلامتی کے طور پر اللہ تعالٰی کی طرف سے معرض وجود میں آتی ہے۔ پس بے قید وشرط اور ہمہ گیر سلامتی ایمان 'عمل اور تزکیہ نفس کا نتیجہ ہے اور یہ سلامتی لقاء اللہ کی منزل پر فائز ہونے کی راہ ہموار کرتی ہے، اس کے بغیر مقام لقا پر فائز ہونیکی صلاحیت اور استعداد ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہ مرحلہ جس میں ہمہ گیر سلامتی اور طہارت کے وقوع پذیر ہونے کے باعث لقاء اللہ کا فیض حاصل ہو جاتا ہے' ایمان کے تیسرے درجہ ' حق الیقین ' معارف الٰہی کے شہود ' ارتباط اور خلوصِ کامل کی راہیں ہموار کر دیتا ہے۔

اس مقام کو فنائی عظمتِ نورِاللہ یعنی اللہ کی عظمت کے نور میں فنا ہو جانے کا نام دیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس مقام پر سالک ہر لحاظ سے ماسوا اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ ہر قسم کی آلودگی اور تاریکی سے آزاد ہو چکا ہوتا ہے' اور دل وجان سے اللہ تعالٰی کا مطیع ہو چکا ہوتا ہے، حتی کہ اپنے نفس سے بھی بے تعلق ہو

چکا ہوتا ہے۔ اس کے دل پر اللہ کی عظمت کا نور مکمل طور پر حاوی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس میں خود خواہی اور حب نفس نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اور اس کے نفس کے باطن میں نورِ توحید کے علاوہ اور کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ روایات میں مومن کامل کی چار صفات بیان ہوئی ہیں چنانچہ اصول کافی۔ باب خصال المومنین میں ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: **الایمان لہ ارکان اربعہ: التوکل علی اللہ تفویض الامر الی اللہ' الرضا بقضاء اللہ والتسلیم لامر اللہ** یعنی ایمان کے چار ارکان ہیں۔ اللہ تعالٰی پر توکل کرنا' اپنا کام اسکے سپرد کرنا' اس کے فیصلہ پر راضی رہنا' اور اللہ کے حکم کو مکمل طور پر تسلیم کرنا۔

بے شک جب سالک ایمان کے تیسرے درجہ 'حق الیقین پر پہنچ جاتا ہے اور اسکی انانیت فنا ہو جاتی ہے اور وہ "فنائی عظمت اللہ" کے مرحلہ پر پہنچ جاتا ہے تو لازمی طور پر وہ توکل' تفویض' رضا اور تسلیم جیسی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر ایمان کے یہ چار ستون مستحکم اور مضبوط ہو جاتے ہیں اور ان پر ایمان کی عمارت مستحکم اور استوار ہو جاتی ہے۔ جب تک یہ چار ستون اچھی طرح سے قائم نہ ہو جائیں ایمانِ کامل کا حصول اور وقوع قابل تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یہاں ہم ایمان کے ان چار ستونوں کی مختصر وضاحت کرتے ہیں۔

اول۔التوکل علی اللہ

توکل کے یہ معنی ہیں کہ کسی کو اپنے کام میں وکیل قرار دیا جائے۔ کسی کو وکیل بنانے کا انحصار اس بات پر ہے کہ متوکل' یعنی وکیل بنانے والے کو وکیل پر ہر لحاظ سے اعتماد اور اطمینان ہو اور وہ اس کے بارے میں ذرا بھی اختلاف' بدنظمی' اضطراب اور بدگمانی نہ رکھتا ہو۔

وکیل کے لئے ضروری ہے کہ جو کام اسے سونپا جائے وہ اس سے مکمل طور پر

آگاہ ہو اور اس سے متعلق اسکی معلومات مکمل ہوں۔ وکیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فکر و نظر کے اعتبار سے مستقل ہو اور دوسروں کی آرا اس پر اثر انداز نہ ہو سکتی ہوں۔علاوہ ازیں وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

جو وکیل صحیح العمل ہو' اسکی نیت اچھی اور اس کے اقدامات حق وعدالت سے ہماہنگ ہوں' وہ ہمیشہ حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے حقیقی مصلحتوں کے پیش نظر عملی اقدامات کرتا ہے اور اپنے موکل کی جانبداری کا پابند نہیں ہوتا۔ ان شرائط اور خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح اور آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر صرف وہی لوگ توکل کر سکتے ہیں جو چوتھے مرحلے بلکہ اس کے اختتام پر پہنچ چکے ہوں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ توکل کی صفت تفویض' رضا اور تسلیم کی صفات سے پہلے واقع ہے اور ان کی نسبت کمزور اور ضعیف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر حقیقی معنوں میں توکل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات ' اس کے لامحدود علم ' قدرت 'حیات اور اس کے تمام اقدامات کے برحق اور مبنی برعدالت ہونے کا سوفیصد یقین اور اطمینان ہو۔ ایسے یقین اور اطمینان کے بعد انانیت سے رہائی حاصل کرنا اور خودپسندی کو ترک کر کے فنائے نفس کے مرحلہ کو کامیابی سے طے کرنا ضروری اور لازمی امر ہے'اس لئے کہ جو شخص انانیت اور خودپسندی سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا ہو وہ ہرگز ایسے وکیل کو اپنا کام نہیں سونپ سکتا جو صرف اور صرف حق اور عدالت کا حامی اور طرفدار ہو اور نہ ہی اس کے ان فیصلوں پر راضی ہو سکتا ہے جو اسکی مرضی کے خلاف ہوں۔

پس جب تک سالک چوتھے مرحلے کے آخر پر نہ پہنچ جائے اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ خداوند قادر 'عالم 'محیط 'عادل اور حق پر توکل کرتے ہوئے اپنے مشکل معاملات اس کے سپرد کردے اور اس کے فیصلوں پر' چاہے اسکی مرضی

کے خلاف ہوں' راضی ہو۔

دوم۔ التفویض الی اللہ

تفویض کا مرحلہ توکل کے بعد آتا ہے اس لئے کہ توکل کے مرحلہ میں موکل اپنے اعتبار کو محفوظ رکھتا ہے اور وکیل کو اپنی جگہ یہ اختیار دیدیتا ہے کہ وہ اس کے امور کو اپنی مصلحت اندیشی کی بنیاد پر انجام دے۔ البتہ چونکہ اس مرحلہ پر سالک کی انانیت اور خودپسندی برطرف ہو چکی ہوتی ہے لہذا مصلحت اندیشی کے معاملہ میں اسکی اپنی غرض اور اسکی اپنی رائے بھی باقی نہیں رہتی اور صرف حقیقی مصلحت ہی مدنظر ہوتی ہے۔

تفویض کے مرحلہ میں سالک اپنے فرائض کے علاوہ دیگر تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہاں سالک اپنی ذات ' صفات اور اعمال کے فنا کا مشاہدہ کر چکا ہوتا ہے اور لامحدود نور' لامحدود صفات' لامحدود عظمت ' قدرت اور احاطہ کو دیکھ چکا ہوتا ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے' اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی لامحدود عظمت وجلال کے سامنے فانی اور بے اثر پاتا ہے اور اپنے وجود کو غیر مستقل اور ظلی حیثیت میں دیکھتا ہے اور قہراً" اپنے تمام امور کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ کسی حد تک یہ حقیقت توکل میں بھی لازم اور ضروری تھی' اس لئے کہ جب تک انسان اپنے وجود کو معتبر سمجھے اور اپنی قوت' دانائی اور عمل پر اعتماد کرتا ہو اس وقت تک کسی اور پر دل وجان سے اعتماد نہیں کر سکتا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ توبہ۔ ۱۲۹

(پس اگر یہ روگردانی کریں تو کہہ دیجئے اللہ میرے لئے کافی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں نے اس پر توکل کیا)

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ اعراف۔ ۸۹

(ہمارا رب علمی لحاظ سے ہر چیز پر وسعت رکھتا ہے ہم نے اللہ پر توکل کیا)

اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَعَلَیہِ فَلیَتَوَکَّلِ المُتَوَکِّلُونَ۔ یوسف ۔ ۶۷

(اللہ کے علاوہ کسی کا حکم نہیں ہے میں نے اس پر توکل کیا اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے)

وَمَن یَتَوَکَّل عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسبُہُ۔ طلاق ۔ ۳

(اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے)

وَاُفَوِّضُ اَمرِی اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بِالعِبَادِ۔ مومن ۔ ۴۴

(اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بے شک اللہ بندوں پر بینا ہے)

پس سالک پر لازم اور ضروری ہے کہ مرحلۂ فنا کے پہلے حصہ میں جو کہ مذکور ہو چکا ہے، پوری کوشش اور مجاہدت سے اسے عملی جامہ پہنائے اور فنائے ذات اور حجابِ نفس کی برطرفی کا حق الیقین سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس کے پہلے نتیجہ یعنی توکل علی اللہ اور تفویض الی اللہ کے امکانات کو واضح طور پر دیکھے تاکہ ایمان کا تیسرا مرتبہ اس کے دل میں ثابت اور مستحکم ہو جائے۔ اللہ ہم سب کو یہ سعادت نصیب کرے۔

سوم ۔ الرضا بقضاء اللہ

اس صفت کا مرتبہ توکل اور تفویض سے بلند تر ہے، اس لئے کہ توکل میں انسان ایک وکیل معین کرتا ہے جو اسکی نیابت میں اس کے امور کو انجام دیتا ہے اور اسکی حاجات کو برطرف کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ جبکہ تفویض میں انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر نظرانداز کر کے اپنے امور کو مطلق اور غیر مشروط طور پر کسی دوسرے کے سپرد کردیتا ہے۔ ان دومقامات میں اگرچہ رضا اور ناراضگی پر نظر نہیں ہوگی مگر پھر بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات توکل اور تفویض کے باوجود ناراضگی اور سخط پیدا ہو جائے اور انسان بعض امور پر تہہ دل سے راضی نہ ہو۔

لیکن مقامِ رضا میں رضا ہی مدنظر ہے، کہ کسی قسم کی ناراضگی اور سخط پیدا نہ ہو۔

اس مقام پر سالک اس حقیقت پر توجہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی لامحدود قدرت، حکمت، علم، تدبیر اور بے نیازی سے اس کائنات اور اس کے امور کو چلا رہا ہے اور اس بات کا تصور بھی ناممکن ہے کہ وہ کسی قسم کی غفلت، سہل انگاری، بدنیتی، فکری انحراف، ضعف، عاجزی یا احتیاج کا شکار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کائنات کے نظم وضبط میں جسقدر گہرائی سے غور وفکر کریں ذرا سی بے نظمی، خلل اور اختلاف نہیں ڈھونڈ سکیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ وَمَا بَینَہُمَا اِلَّا بِالحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ روم ۔ ۸

(اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں کیا مگر برحق اور ایک مقررہ مدت کے لئے)

اَلَّذِی خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِی قَدَّرَ فَہَدٰی۔ الاعلیٰ ۔ ۲،۳

(وہی ہے جس نے پیدا کیا پس برابر کیا اور جس نے اندازے کے مطابق مقدار مقرر کی اور پھر ہدایت کی)

اور انسان کے بارے میں فرمایا: اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَکُم ثُمَّ رَزَقَکُم ثُمَّ یُمِیتُکُم۔

(اور اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت دیدیتا ہے) روم ۔ ۴۰

پس عقلی دلیل اور قرآنی تصریحات سے یہ بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ زمین، آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور انسانوں کی خلقت کی بنیاد ایک انتہائی گہرے محاسبے، منظم اور برحق طریقے پر اور مکمل طور پر معین اور محدود ضوابط پر استوار کی گئی ہے۔ اس کے بعد زندگی کی بقا، تقدیرات، حوادث، موجودات کے رزق اور ان کی نیاز مندی وغیرہ جیسے تمام مسائل ایک مکمل نظم وتدبیر کے ساتھ حکمت کی بنیادوں پر چلائے جا رہے ہیں۔

مٹھی بھر خاک اور منی کے قطرے سے پیدا ہونے والا محدود انسان جو ہر لحاظ سے بہت ضعیف اور محدود قوتوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے اور اپنی زمانی ' مکانی ' ذاتی ' جسمانی اور فکری حدود سے ایک قدم بھی باہر نہیں رکھ سکتا ' اپنی زندگی کی ایک گھڑی بلکہ ایک منٹ کے بارے میں بھی آگاہی نہیں رکھتا ' وہ کیسے اپنے آپ کو یہ اجازت دے سکتا ہے کہ اپنے ہر لحاظ سے لامحدود ' عالم مطلق ' حکیم ' رحمٰن ' رؤف ' حاضر و ناظر ' قیوم اور قادرِ مطلق پروردگار سے ناراضگی کا اظہار کرے جو کئی ارب برسوں سے نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ دخان ۔ ۳۸

(اور ہم نے آسمانوں ' زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ' ان سب کو لغو اور بے مقصد پیدا نہیں کیا)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ۔ مومنون ۔ ۱۷

(اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے پیدا کئے اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں)

آیا ہماری یہ ناراضگی زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے یا پہلی جماعت کے اس طالبعلم کی ناراضگی جو وہ سکول کے انتہائی منظم پروگرام ' اسکی تدبیر ' ادارت اور دانشمند اور مدبر استاد کے بارے میں رکھتا ہے۔

آیا اس طالب علم کو چاہئے کہ خود کو مدرسہ کے درسی نظام کے ساتھ ہماہنگ بنائے؟ یا مدرسہ کی انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ اپنے مدرسہ کے تمام نظام وضبط اور درسی امور کو اس نو وارد طالبعلم کی ضعیف اور ناقص سوچ کے ساتھ ہماہنگ کرے؟

آیا ایک عاقل ' دانشمند اور ماہر تعلیم انسان جس نے اس مدرسہ کے نظام کا غور سے مطالعہ کیا ہوا ہو ' اور طالبعلموں کی فردی اور اجتماعی ضروریات کے کافی اور وافی طور پر پورا ہونے کا مشاہدہ کیا ہو یہ فیصلہ نہیں کریگا کہ تمام طالب علموں

کو مدرسہ کے نظم سے سو فیصد راضی ہونا چاہئے؟

یہی وہ نقطہ ہے جہاں سالک فکری اور عملی لحاظ سے مقام رضا پر قانع ہو کر خود کو اس سے ہماہنگ کرلیتا ہے۔ اگر وہ علم و عمل کے لحاظ سے مکمل طور پر غور و فکر اور تحقیق و مطالعہ کرے تو مرتبۂ عین الیقین پر فائز ہونے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مرحلۂ چہارم میں انانیت اور حجاب نفس کے برطرف ہو جانے کے بعد جب سالک انہی مطالب کو مذکورہ شرائط کے ساتھ روحی توجہ اور قلبی شہود سے دیکھنا چاہے تو ان حقائق کے بارے میں حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ جائے گا۔

مقام رضا کو حاصل کرنے کا ایک راستہ محبت ہے۔

محبت

ابتدائے سلوک سے ہی محبت سالک کے قلب میں جاگزین ہو جاتی ہے۔ یہی باطنی محبت سالک کو منزلِ لقا کی طرف حرکت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ مادی اور دنیوی امور کی محبت اور اس کے آثار و نتائج سالک کے دل سے محو ہو جاتے ہیں ۔ چوتھے مرحلہ میں محبتِ حق اس قدر شدت اختیار کرلیتی ہے کہ سالک اپنی محبوب ترین اور نفیس ترین چیز یعنی اپنے نفس سے بھی گزر جاتا ہے اس لئے کہ یہ لقاء رب کے مقام تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے ۔ یوں منزلِ لقاء تک پہنچنے کے لئے وہ ہر چیز اور ہر تعلق کو قربان کرچکا ہوتا ہے۔ اور جب وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی نہ ہو۔

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فجر ۲۷ ' ۲۸

(اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو)

پس اللہ تعالٰی کی بارگاہِ ربوبیت میں حقیقی خالص اور بغیر حجاب کے رجوع حجاب نفس اور انانیت کے برطرف ہونے کے بعد ہی ممکن ہے۔ اس خالص اور صادق رجوع کے بعد ہی خداوند کریم اور بندے کے درمیان حالت رضا پیدا ہوتی ہے۔

جی ہاں! محبت ایک شدید قلبی میلان کا نام ہے۔ یہ میلان قربِ معنوی، اختلاف کی برطرفی اور خلوص ووفا کی صورت میں ہی حاصل ہوتا ہے۔ طرفین میں جس قدر قرب، خلوص اور وفا زیادہ ہوگی اسی تناسب سے محبت اور میلان بھی زیادہ ہوگا۔ اور جس قدر محبت زیادہ ہوگی اسی قدر توافق اور رضا کے موجبات زیادہ ہوں گے۔

حصول رضا کا ایک اور راستہ عبودیت ہے۔

عبودیت

عبودیت خضوع اور تذلل کے ساتھ اطاعت کرنے کو کہتے ہیں۔ مراحل کے اختلاف سے سالک کی عبودیت پر بھی اثر پڑتا ہے۔

دوسرے مرحلہ میں عبودیت کا تعلق اعمال، اطاعات اور عبادات سے ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام فرائض کو اللہ تعالٰی کی اطاعت اور اسکا قرب حاصل کرنے کی نیت سے انجام دیا جائے۔

تیسرے مرحلہ میں ظاہری عبادات اور اعمال کے علاوہ قلب اور باطن میں بھی ان صفات سے پرہیز کرنا چاہئے جو بندگی اور عبودیت کے خلاف ہوں۔ پس ریاً، خودستائی، تکبر، حبِ دنیا، حبِ جاہ ومقام، غفلت، اِفساد اور ایسی ہی دوسری صفات سالک کے دل میں موجود نہیں ہونی چاہئیں۔

چوتھے مرحلہ میں عبادت اور تزکیہ نفس کے مراحل کو طے کرنے کے بعد، سالک اپنے نفس کو بھی مغلوب اور مقہور کردیتا ہے اور کسی عمل یا نیت کو اپنے

نفس اور انانیت کی خاطر انجام نہیں دیتا۔ اس کے تمام اعمال صرف اور صرف اپنے مولا کی اطاعت کے جذبے سے انجام پاتے ہیں اور وہ ظاہروباطن اور صمیم قلب سے اپنے مولا کے علاوہ کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سالک عبودیت کی حقیقت کو پالیتا ہے اور فرائضِ بندگی کی ادائیگی کے علاوہ اسکا کوئی نصب العین نہیں ہوتا۔ حتی کہ وہ کسی مقام پر پہنچنے کا متمنی اور کسی قرب کے حصول کا خواہشمند بھی نہیں ہوتا۔ اپنے مولا کی توجہ، عنایت اور فیوض والطاف کا بھی خواہاں نہیں ہوتا۔

اس مرحلہ پر سالک کی نظرمیں قرب وبعد، وصل وہجر، درد ودرماں میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور ہر خوشگوار یا ناخوشگوار چیز اسکی نظرمیں اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہے۔

عبودیت کا یہ مقام سالک کا آخری درجہ ہے جسے قرآن شریف میں عباد مخلصین، عباد مصطفین، عباد مومنین، عباد مرسلین اور عباد صالحین اور ان جیسی مخصوص تعبیرات میں بیان کیا گیا ہے۔

حصولِ رضا کا ایک اور راستہ اخلاص ہے۔

اخلاص

کسی چیز کو آلائشات سے پاک کرکے خالص بنانے کو اخلاص کہتے ہیں۔ عبودیت کی طرح، مراحل کے اختلاف سے اخلاص پر بھی فرق پڑتا ہے اور مختلف مراحل میں اسکی حالت مختلف ہوتی ہے۔

دوسرے مرحلہ میں اخلاص سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے تمام اعمال اور عبادات کو فاسد نیتوں، مثلاً شرک، ریا، عنوان طلبی، دنیا طلبی، ایمان کے مظاہرہ اور ان جیسی دیگر چیزوں سے آلودہ نہ ہونے دے، اور ہر کام کو خالصتاً اللہ تعالٰی کے احکام کی اطاعت کے جذبے سے انجام دے۔

مرحلۂ صفات وباطن میں اخلاص سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے قلب کو تمام صفاتِ رذیلہ ' اخلاقِ مذمومہ اور بری نیات سے پاک کرے۔ اس مرحلہ میں سالک کی تمام تر توجہ اپنی باطنی صفات کو خالص کرنے پر مرکوز ہوتی ہے اور جو صفات مادی دنیوی زندگی کے نتیجہ میں انسان کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہیں سالک اپنے قلب کو ان سے پاک کرتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک کی تمام عبادات اور اس کے تمام اعمال اسکے خالص اور پاکیزہ قلب سے ظاہر ہوتے ہیں۔

چوتھے مرحلہ میں اخلاص سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی روح کو انانیت اور حبِ نفس سے پاک کرے اور اسکی نیت خود پرستی اور خود خواہی جیسی فاسد چیزوں سے پاک ہو جائے۔

اس مقام پر سالک کی توجہ اور اسکا قلب اس حد تک پاک ' صاف اور خالص ہو جاتے ہیں کہ اس کے صفحہ دل پر اللہ تعالیٰ کے لامحدود نور کی تجلیات کے علاوہ اور کوئی نقش باقی نہیں رہتا۔ یہ مرحلہ' جہاں خود پرستی اور انانیت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ سے شکوہ ' گلہ ' ناپسندیدگی اور عدم رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اخلاص کا یہ مرتبہ سالک کے آخری مراتب میں اور حالتِ فنا کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جب سالک کو اس مقام پر ثابت قدمی اور استقلال حاصل ہو جائے اور وہ ہر قسم کی آلودگی ' تاریکی اور گمراہی سے پاک ہو جائے وہ تو مخلصین میں شمار ہونے لگتا ہے۔

اس مقام پر سالک اطمینانِ کامل ' سلامتِ کامل ' ایمانِ تام اور خلوص کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ ص ۸۲ ' ۸۳
(شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم تیرے خالص بندوں کے علاوہ سب کو گمراہ کردونگا)

تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا۔ احزاب ۔ ۴۴
(جس روز وہ اس سے ملاقات کریں گے انکا تحیہ سلام ہو گا اور اس نے ان کے لئے پسندیدہ اور اچھا اجر تیار کر رکھا ہے)
یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ شعرا ۔ ۸۹
(اس دن مال اور بیٹے کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے سوائے اس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم ساتھ آیا ہو گا)

چہارم۔ تسلیم لِاَمْرِ اللہ۔

تسلیم اور سِلْم کے معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کی خصومت اور اختلاف کو مکمل طور پر ترک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو دل وجان سے قبول کر لیا جائے۔ اسکا رتبہ رضا بقضاء اللہ سے بھی بلند تر ہے اور یہ اس کے بعد ہی واقع اور رونما ہوتی ہے' اس لئے کہ اس مقام پر اپنی رضامندی اور عدم رضامندی بھی سالک کے پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے تمام وجود کو مکمل طور پر اپنے پروردگار کے حوالے کردیتا ہے اور اسکی مخالفت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتا ہے۔

بے شک جب سالک مذکورہ مقدمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلوں پر راضی ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نورِ عظمت وجلال ' اس کے دو ٹوک ارادہ کے اثر ونفوذ ' اسکی رحمت ورافت کی تجلیات ' اسکے احاطہ وحکمت کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنے دل وجان سے اور مکمل خشوع وخضوع سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ پس یہ چار صفات توکل' تفویض ' رضا اور تسلیم ۔ فنافی اللہ اور حجابِ نفس کی برطرفی کی یقینی علامات اور آثار میں سے ہیں۔ یہ چار صفات اسی مقام سے مختص ہیں جبکہ صبر ' محبت ' اخلاص ' عبودیت اور یقین اس مرحلہ سے مختص نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ چار صفات محوِانانیت اور حجاب نفس کی برطرفی کی نشانیاں ہیں جبکہ صبر ' محبت ' اخلاص ' عبودیت اور یقین کے مختلف

مراتب ہیں جو چوتھے مرحلہ میں پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ لہٰذا انہیں فنائے نفس کی علامت قرار دینا درست نہیں ہے۔ وہ صرف اس مرحلہ میں منزل کمال کو پہنچتے ہیں لیکن اسکی تشخیص اور پہچان سالک کے لئے مشکل ہوتی ہے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ نسا ٦٥ (تیرے رب کی قسم یہ اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لائے ہوں گے یہاں تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے حاکم نہ مان لیں اور پھر تیرے فیصلے سے اپنے اندر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر تسلیم کر لیں)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی قسم یعنی اپنی قسم کھا کر واضح کر دیا ہے کہ لوگ اس وقت تک مکمل طور پر مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ رسول اللہ کے فیصلے کو جو درحقیقت اللہ کا حکم ہے، رضامندی کے ساتھ تسلیم نہ کر لیں۔

مرحلہ پنجم۔

فرائض کی ادائیگی اور تبلیغ کی استعداد

یہ مقام جبروت کا آغاز ہے۔

اسکی تفصیل یہ ہے کہ مرحلہ اول سے قبل صرف حیوانیت کی منزل تھی۔ اس لئے کہ کفر و غفلت کی وجہ سے آدمی فکر و نظر، اعمال و کردار اور اخلاق وصفاتِ باطنی کے لحاظ سے مکمل طور پر حیوان کا مصداق ہوتا ہے۔ اگر حیوان سے اسکا کوئی فرق ہوتا ہے تو صرف اس چیز میں ہوتا ہے کہ اس میں ایسی قوت، صلاحیت اور قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ تربیت حاصل کر کے حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر اعلیٰ مقامات پر ترقی کر جائے۔ جب کہ اس مرتبہ پر اکثر حیوانات جسمانی اور حیوانی طاقت میں اجمالی طور پر آدمی سے زیادہ طاقتور اور بالاتر ہوتے ہیں جبکہ آدمی طغیان، عصیان اور گمراہی میں ان سے کہیں زیادہ پست ہوتا ہے۔ اس سے بالاتر پہلا مرحلہ ہوتا ہے جس میں سالک فکر و نظر کے اعتبار سے ایک تبدیلی اور انقلاب کا شکار ہو جاتا ہے اور اس لحاظ سے حیوانیت کے مرتبہ سے باہر نکل آتا ہے۔ یہاں سے عالمِ ناسوت کا آغاز ہوتا ہے۔ ناسوت کی اصل اور بنیاد ناس، نَوس اور نَوسان ہے۔ اس مرحلہ میں چونکہ آدمی فکر وعقیدہ کے لحاظ سے متغیر ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا عالمِ انسانیت کے لحاظ سے اسکی حالت اضطراب اور نوسان کا شکار ہو جاتی ہے۔ نوس کے معنی بھی حرکت اور اضطراب کے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے، اس مرحلہ میں سالک فکر کے علاوہ عمل کے لحاظ سے بھی حیوانیت کے مرتبہ سے بلند تر ہو جاتا ہے اور عملی طور پر لقاء اللہ کی الٰہی سمت کی جانب حرکت شروع کر دیتا ہے۔

اس کے بعد تیسرا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلہ میں سالک ہر لحاظ سے ' فکر ' عمل اور باطنی صفات کے لحاظ سے 'حیوان پر برتری حاصل کر لیتا ہے یہاں سے

مقامِ انسانیت کا آغاز ہو جاتا ہے' اور انسان میں ایک مکمل انقلاب آجاتا ہے وہ اپنے روحانی سفر میں اللہ تعالیٰ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ لفظ انسان کی بنیاد بھی انس ہے۔ عالم ناسوت کا اطلاق اس مقام پر بھی ہوتا رہتا ہے۔

اس کے بعد چوتھا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلہ میں انسان عالمِ ملکوت میں داخل ہو جاتا ہے' اس لئے کہ وہ ہر لحاظ سے پاکیزگی طہارت اور نورانیت حاصل کر کے ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے' اس لئے کہ ان کا وجود بھی ہر قسم کی آلودگی اور تیرگی سے پاک ہوتا ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے خاشع اور خاضع ہوتے ہیں۔

اس مرحلہ میں جب تک حجابِ نفس برطرف نہیں ہوتا اسے ملکوتِ سفلیٰ کہا جاتا ہے۔ جب حجاب نفس برطرف ہو جائے اور فنائے نفس کی حالت پیدا ہو جائے تو اسے ملکوت علیا کہا جاتا ہے۔

کلمۂ ملکوت 'ملک' سے ماخوذ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مرحلہ میں انسان کی حالت میں ثبات اور ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ وہ عالمِ ناسوت کے اضطراب اور تزلزل سے باہر آکر اپنے وجود پر حاکم ہو چکا ہوتا ہے۔

چونکہ ملکوتِ سفلیٰ میں حجاب نفس مکمل طور پر برطرف نہیں ہوا ہوتا لہٰذا محجوبیت کا خطرہ باقی ہوتا ہے اور ابلیس بھی اسی مقام پر انانیت میں مبتلا ہوا اور انا خیر منہ کہہ کر مقام قرب سے دور ہو گیا۔

اس کے بعد پانچواں مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلہ میں ملکوتی انسان عالمِ جبروت میں داخل ہو جاتا ہے۔

کلمۂ جبروت 'جبر' سے ماخوذ ہے جسکے معنی نفوذ' تسلط اور عظمت حاصل کرنا ہیں۔ اس مرحلہ میں انسان اپنی باطنی پاکیزگی اور خلوص کے کمال اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود نور میں فانی ہو جانے کی وجہ سے ایک قسم کا نفوذ' غلبہ اور عظمت حاصل کر لیتا ہے اور اپنے الٰہی فرائض کو انجام دینے کے لئے مکمل علم و معرفت کی بنیاد پر

قدم اٹھاتا ہے۔

عالم ملکوت کی طرح عالم جبروت کے بھی دو حصے ہیں۔ جبروت سفلیٰ اور جبروت علیا۔

جبروت علیا انبیا اور برگزیدہ اولیا سے مخصوص ہے۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جو اپنی کوشش اور مجاہدت کے علاوہ اول سے آخر تک ایجاداً" اور بقاءً اللہ تعالیٰ کی مخصوص تائید اور نصرت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اور یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ کوئی انسان بہت زیادہ مجاہدت اور ریاضت کے نتیجہ میں اس مقام کو حاصل کر سکے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ (آل عمران۔ ۳۳

(بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالمین پر چن لیا)

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ فاطر۔ ۳۲

(پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنا دیا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا)

پس جبروت علیا انبیاء مرسلین اور آئمہ کا مقام ہے جبکہ جبروت سفلیٰ ان مخلَص پاک اور روحانی افراد کا مقام ہے جنہوں نے اپنے آپ کو ہر قسم کی آلودگی سے پاکیزہ کر لیا ہو اور تمام حجابات کو برطرف کر دیا ہو۔ پس اس مرحلہ کو ہم دو حصوں میں بیان کریں گے۔

اول۔ جبروت سفلیٰ

جو اللہ تعالیٰ کے خالص اور مخلص بندوں کے لئے ہے۔

دوم۔ جبروت علیا جو انبیاء اور مرسلین سے مختص ہے۔

جبروتِ سفلیٰ

سلوک میں کامل خالص اور مخلص مومنین کا مقام۔

اَلرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ توبہ۔ ۱۱۲

(رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے امر بمعروف اور نہی از منکر کرنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور۔ اے رسولؐ ان مومنین کو بشارت دیدو)

اَلرَّاكِعُوْنَ: چوتھے مرحلہ کے پہلے حصہ کی طرف اشارہ ہے۔

اَلسَّاجِدُوْنَ: چوتھے مرحلہ کے دوسرے حصہ کی طرف اشارہ ہے جس میں انانیت برطرف ہو چکی ہوتی ہے جو کہ خضوع اور عاجزی کا آخری مرتبہ ہے۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: پانچویں مرحلہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ: جبروت علیا کی طرف اشارہ ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ: ان مومنین کی طرف اشارہ ہے جو حقیقی اور کامل مومن کے مصداق، اور حق الیقین کے درجہ پر فائز ہیں۔

امر بمعروف اور نہی از منکر جو اس مرحلہ کے آثار ہیں، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر سالک اپنی حدِ کمال کو پہنچ چکا ہوتا ہے اور راستے کے ہر نشیب و فراز سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ تمام شرائط، رکاوٹوں، زادِ سفر، راستے کی خصوصیات، جزئیات اور علامات و خطرات سے واقف ہوتا ہے۔ وہ عملی طور پر ان تمام مراحل کو طے کر کے انکا تجربہ حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

وہ کافی حد تک اپنی فکر سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے اور تمام مسائل، احکام، فرائض اور آداب کو تفصیلی طور پر جان چکا ہوتا ہے۔ وہ درد اور اس کے علاج

کی تشخیص، حالات و منازل کی علامات اور آثار کی شناخت میں مہارت حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ ان سب سے بڑھ کر اسکی کوئی بات اور اسکی تشخیص ہوائے نفس کی بنیاد پر نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ اپنے نفس اور اپنی ذات کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اس لئے کہ وہ نورانیت اور روحانیت میں غرق ہو چکا ہوتا ہے۔ اسکی اپنی کوئی رائے، نظر اور انانیت نہیں ہوتی۔

اس صورت میں وہ اظہارِ حق، امر بمعروف، ہدایتِ سالکین اور حیرت و سرگردانی میں ڈوبے ہوئے افراد کی رہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور وہ جھوٹے مدعی جو خود شکوک و شبہات کے گڑھوں میں گرے ہوئے ہوں اور وادی ظلمت و جہالت میں بسیرا کر رہے ہوتے ہیں اسکی اہلیت نہیں رکھتے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ۔ مائدہ۔ ۷۷

(اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں)

سالک کو اس معاملہ میں بہت ہوشیار اور محتاط ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں اسے اس بات پر بھی توجہ کرنی چاہئے کہ نوے فیصد سالکین استاد کے غلط انتخاب آثار و علامات کا لحاظ نہ کرنے اور نااہل اور جھوٹے مدعیوں کے فریب میں مبتلا ہو کر نہ صرف یہ کہ خود گمراہ ہو جاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور باطل راستے کی ترویج و اشاعت کرتے رہتے ہیں۔

لہٰذا یہ بہت ضروری ہے کہ ایسے قابل اور لائق استاد کا انتخاب کیا جائے جو چاروں مراحل کو انتہائی باریک بینی اور احتیاط سے طے کر چکا ہو اور پورے خلوص اور محبت کے ساتھ پانچویں مرحلہ میں الٰہی فرائض اور دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے کوشش اور اہتمام کرتا ہو۔

جو لوگ پانچویں مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں دوسروں کی راہنمائی ہدایت اور امر

معروف اس لئے انکا فریضہ ہے کہ چونکہ وہ چوتھے مرحلہ کو مکمل کر چکے ہوتے ہیں۔ اور انانیت اور خود پرستی کو مٹا کر عظمتِ حق کے نور میں فانی ہو چکے ہوتے ہیں لہٰذا وہ کوئی کام اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر انجام نہیں دیتے بلکہ ان کی نظر اپنی ذات کی بجائے نورِ الٰہی کی تجلیات پر ہوتی ہے' ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جمال وجلال میں محو ہو چکا ہوتا ہے' لہٰذا وہ اپنے تمام اعمال کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے انجام دیتے ہیں' اس صورت میں انسانِ کامل کے تمام اعمال اور تمام حرکات وسکنات اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتے ہیں۔

اس پروگرام یعنی ہدایت وراہنمائی کا رخ زیادہ تر ان لوگوں کی طرف ہوتا ہے جو روحانیت اور معنویت میں ضعیف اور ہدایت وراہنمائی کے محتاج ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اسکا مقصد لوگوں یا سالکین کو' چاہے وہ جس مرتبہ پر ہوں' اللہ تعالیٰ کی طرف راغب اور متوجہ کرنا ہوتا ہے۔

وَمَنْ یُسْلِمْ وَجْھَہٗ اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی۔ لقمان۔ ۲۲

اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردے اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اس نے مضبوط رسی کا سہارا لیا)

وَمَنْ اَحْسَنُ مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ۔ نسا ۱۲۵

(اور اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور وہ نیکو کار ہو)

تسلیم کامل چوتھے مرحلہ کے آخر میں رونما ہوتی ہے۔ کامل اور محسن یعنی نیکو کار ہونا پانچویں مرحلہ میں رونما ہوتا ہے۔

قرآن شریف میں ایک اور مقام پر اس مرحلہ کو تدبیرِ امور سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا

(قسم ہے ان کی جو اپنے آپ کو الگ کرتے ہیں اس میں غرق ہو کر۔ اور قسم ہے انکی جو اپنے افکار میں مصمم' فیصلہ کن اور یکسو ہیں۔ قسم ہے ان کی جو اپنے آپ کو اس طرح پاکیزہ کرتے ہیں جیسے پاکیزہ کرنے کا حق ہے۔ قسم ہے ان کی جو اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے سبقت اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ قسم ہے ان کی جو امور کی تدبیر و تنظیم میں مشغول ہیں) نازعات۔ ۱۔ ۵

اس آیۂ شریفہ میں پہلے مرحلہ کو الفازعات سے تعبیر کیا گیا ہے جو اپنی روح کو مادی زندگی اور غفلت سے الگ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرے مرحلہ کو۔ الناشطات۔ سے تعبیر کیا گیا ہے جو توبہ اور عمل صالح کے ذریعے فکر کی اصلاح اور استحکام کی طرف اشارہ ہے۔ اور "شط" باندھنے اور مضبوط کرنے کو کہتے ہیں۔

تیسرے مرحلہ کو۔ السابحات۔ سے تعبیر کیا گیا ہے جو راہ حق پر ثابت قدمی کے ذریعے تزکیۂ نفس اور تطہیرِ باطن کی طرف اشارہ ہے۔

چوتھے مرحلہ کو۔ السابقات۔ سے تعبیر کیا گیا ہے جو صحیح سمت میں پیش رفت اور رکاوٹوں کو عبور کرنے میں کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔

اور پانچویں مرحلہ کو۔ المدبرات۔ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو امور انہیں سونپے گئے ہیں وہ تدبیر اور تنظیم سے انجام پاتے ہیں۔

بے شک وہ تدبیرِ حق جو مطابقِ واقع ہو ان لوگوں سے ناممکن ہے جنہوں نے اس مرحلہ میں قدم نہ رکھا ہو' اس لئے کہ بنیادی اور اساسی تدبیر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ یونس۔ ۳۱

(اور کون ہے جو امورِ کائنات کی تدبیر کرتا ہے؟ تو یہ کہیں گے اللہ۔ پس یہ تقویٰ کیوں اختیار نہیں کرتے)

اس کے بعد دوسرے درجہ میں تدبیر اس شخص کے ہاتھوں ممکن ہے جو نورِ

حق کی تجلی کا مظہر ہو۔

جبروت علیا: انبیاء اور اولیاء مخصوص کا مقام

وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰہِ ۔ توبہ ۔ ۱۱۲

(اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں)

پانچویں مرحلہ کا دوسرا حصہ جبروتِ علیا ہے' یہ حصہ ان افراد سے مخصوص ہے جو اپنی پیدائش اور آغاز سے ہی تکوینی طور پر پاکیزگی وطہارت 'اعلیٰ اور قوی استعداد ' مخصوص روحانیت اور نورانیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ افراد اس مخصوص ذاتی استعداد اور نورانیت کے باوجود دوسرے افراد کی طرح بلکہ ان سے بہت بہتر طور پر ' شدت 'دقت اور عمدگی کے ساتھ ' بندگی اور اطاعت کے فرائض کو انجام دینے میں عملی ' قلبی اور باطنی توجہ کے ساتھ مجاہدہ کرتے ہیں۔ یہ گروہ مقام جبروت کے عمومی فرائض کو تو قہرا" انجام دیتے ہی ہیں اور اس کے علاوہ ان پر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے ' اس کے احکام وحدود کو بیان کرنے ' معارف وحقائقِ الٰہی کو واضح کرنے ' سیروسلوک اور منازلِ سیروسلوک کی خصوصیات کو بیان کرنے کا مخصوص فریضہ بھی عائد ہوتا ہے۔

اللہ کی حدود کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ عالمِ ظاہر میں اور لوگوں کے درمیان ان کی حقیقت اور خصوصیات کو واضح طور پر بیان کرکے ان کی حفاظت کی جائے۔

حدود اللہ سے مراد اللہ کے وہ معین اور محدود احکام ہیں جو اس کی طرف سے شریعت میں بیان کئے گئے ہیں خواہ ان کا تعلق عبادت کے فرائض سے ہو یا معاملات سے ' اخلاق وتزکیہ وتہذیب نفس سے ہو یا عالمِ آخرت اور عالمِ لاہوت سے متعلق علوم وحقائق سے ہو۔

چنانچہ زیارت جامعہ میں وارد ہوا ہے کہ :**وامرتم بالمعروف ونهيتم عن المنكر وجاهدتم في الله حق جهاده حتى اعلنتم دعوته وبينتم فرائضه واقمتم**

حدوده ونشرتم شرائع احكامه وسننتم سنته۔

(اور آپ نے امر بمعروف اور نہی از منکر کیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا حتیٰ کہ آپ نے اس کی دعوت کا اعلان کیا اس کے فرائض کو بیان کیا ' اسکی حدود کو قائم کیا ' اسکے احکام کی نشرواشاعت کی اور اس کے طریقوں کو رائج کیا)

پس اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاءکا فریضہ یہ ہے کہ وہ عالمِ لاہوت کی راہ میں صمیم قلب سے مجاہدت اور کوشش کرتے ہوئے مکمل خدمت اور خالص اور مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔ اس کے مقابل وہ لوگ ہیں جو مادی زندگی میں غرق ہو کر طاغوت اور نفس کی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی زندگی کی لذتوں کے حصول کے لئے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔

جبروتِ علیا سے تعلق رکھنے والے افراد۔ انبیاء اور اولیاء کی خصوصیات کو مندرجہ ذیل آیات سے سمجھا جاسکتا ہے۔

سُبْحَانَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔

(وہ منزہ ہے بلکہ وہ اس کے مکرم بندے ہیں جو بات میں اس سے آگے نہیں بڑھتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں) انبیا ۔ ۲۶'۲۷

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ۔ صافات ۔ ۱۷۱'۱۷۲

(یقیناً ہمارا فیصلہ ہمارے بھیجے ہوئے بندوں ' مرسلین کے لئے گزر چکا ہے کہ یقیناً وھی اللہ کی نصرت سے بہرہ مند ہونے والے ہیں)

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ حج ۷۵

(اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کا انتخاب کرتا ہے)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ۔ نسا ۔ ۱۵

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسل میں تفریق کرنا چاہتے ہیں)

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ احزاب ۔ ۴۵

(اے نبی ہم نے آپ کو شاہد، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ احزاب ۔ ٦

(نبی کو مومنین سے زیادہ ان پر اختیار حاصل ہے)

ان آیات کریمہ میں انبیاء کی یہ علامات بیان کی گئی ہیں۔

١۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کے مکرم اور محترم بندے ہیں۔

٢۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اور وحیِ الٰہی سے آگے نہیں بڑھتے ہیں۔

٣۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

٤۔ اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات پہلے دن سے ان پر ہوتے ہیں۔

٥۔ انہیں زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملتی رہتی ہے۔

٦۔ انبیاءؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے ہوئے ہوتے ہیں۔

٧۔ احکام، ارشادات اور تبلیغ کے لحاظ سے خدا اور اس کے رسولوں میں کوئی تفریق نہیں ہے۔

٨۔ پیغمبر لوگوں پر شاہد ہوتا ہے، وہ لوگوں کے حالات، ظواہر اور معنوی مراتب کا مشاہدہ اور معائنہ کر کے عمومی ہدایت کے ساتھ ساتھ ان کے انفرادی فرائض کو معین کرتا ہے۔

٩۔ نبی، موقع و محل کی مناسبت سے بشارت دیتا ہے یا ڈراتا ہے۔

١٠۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مومنین پر خود ان سے زیادہ اختیار اور ولایت حاصل ہے اس لئے کہ مقامِ اطاعت میں انہیں اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں جاننا چاہئے۔ جس طرح مومنین پر فرض ہے کہ ایمان کے اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ خود پسندی اور انانیت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے مقام عظمت میں فنا ہو جائیں اسی طرح ان پر لازم ہے کہ رسول اللہ کی عظمت کے سامنے بھی اسی طرح مطیع رہیں۔

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْل

(اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو)

* * *

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

"جو شخص حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہو وہ اطاعت شعار ہوتا ہے اور جو غافل ہو وہ نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور اطاعت ہدایت کی علامت ہے جبکہ نافرمانی گمراہی کی علامت ہے۔ اور ان دونوں کی بنیاد ذکر اور غفلت ہیں۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب بندہ خلوص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا ذکر کرتا ہے تو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سے سارے حجاب اٹھ جاتے ہیں۔"

(مصباح الشریعہ)

مراحل پنجگانہ سے متعلق لازم اور ضروری مطالب

یہاں تک ہماری گفتگو سلوک کے ان پانچ مراحل سے متعلق تھی جو عمومی اور طبیعی طور پر انجام پاتے ہیں اور اجمالاً واضح ہو چکے ہیں۔ ان بحوث سے مربوط کچھ اور باتیں بھی ضروری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اجمالاً اور ترتیب کے ساتھ مختصراً بیان کرتے ہیں۔

سلوک بمطابق جذبہ

سلوک کے گزشتہ عمومی طریقہ کے علاوہ لقاءاللہ کی طرف سلوک کے دو اور طریقے بھی قابل تصور ہیں جو مخصوص افراد کے لئے ہیں اور سرعت کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔

پہلا طریقہ :- یہ طریقہ ان لوگوں کے لئے ہے جو فطری اور پیدائشی طور پر صفا ومحبت وطہارت جیسی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر اس قسم کے افراد کو توجہ اور رغبت دلائی جائے کمال 'لقاء' روحانیت اور عالم نور کی حقیقت ان کو سمجھا دی جائے تو وہ بڑی سرعت کے ساتھ متوجہ ہو جاتے ہیں اور شدید محبت اور دلچسپی سے راہ سلوک کی طرف حرکت شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ افراد بڑی تیزی کے ساتھ مراحل کو طے کر لیں لیکن ان کی سیر میں خطرہ بہت زیادہ ہے' اس لئے کہ ان کی حیثیت ان معمولی افراد جیسی ہوتی ہے جو تیز رفتار سواری پر سوار ہوتے ہیں اور ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت سے بہت بڑے خطرے اور ہلاکت سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے افراد مکمل احتیاط' پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ اپنے حالات کی گزشتہ مراحل کے ساتھ تطبیق کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو محدود اور پابند نہیں کر سکتے تو پھر مکمل طور پر ضروری ہے کہ ایک ماہر اور بصیر عالم اور عامل کی طرف رجوع کریں۔ اگر ایسے

عالم بصیر تک رسائی ممکن نہ ہو تو پھر آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف دست توسل دراز کر کے اپنی راہ سے ممکنہ خطرات کو دور کریں۔

بہرحال محبت اور جذبہ سے سرشار ان افراد کے لئے جو کچھ بہت لازم اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سو فیصد' دقیق پروگرام' شدید احتیاط اور مراقبت کی پابندی کریں۔

ایسے افراد کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ محبت اور جذبہ کی شدت اور حرارت کے زیر اثر اپنے آپ کو مراحل سلوک سے بے نیاز سمجھتے ہوئے ایک عارضی اور وقتی طور پیدا ہونے والی روحانی حالت کو ایک مستقل اور راسخ مقام سمجھ بیٹھیں اور غفلت کا شکار ہو کر اپنے سطحی مشاہدات اور مکاشفات پر قناعت کرتے ہوئے صراط حق سے منحرف ہو جائیں۔ ایسے افراد کے کمال حقیقی اور لقاء اللہ کے راسخ اور ثابت مقام پر فائز ہونے کی بہترین علامت یہ ہے کہ خودبینی' خودنمائی اور خودستائی جیسی صفات جو انانیت کے قطعی اور یقینی آثار ہیں ان کے دل سے مکمل طور پر محو ہو چکے ہوں۔ وہ کسی چیز کو اپنی طرف نسبت نہ دیں اور اسے اپنے لئے طلب نہ کریں۔ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف دعوت نہ دیں، شہرت اور نام آوری جیسی چیزوں سے دور بھاگیں' اپنے حالات اور مکاشفات دوسروں کو نہ بتائیں اور لوگوں سے احترام اور تعظیم کی توقع نہ رکھیں۔

لہٰذا سالک پر لازم ہے کہ ایک عرصہ تک ان یقینی علامات کو اپنے نفس میں دیکھتا اور آزماتا رہے' ان کا مطالعہ کرتا رہے۔ اور اگر یہ دیکھے کہ یہ علامات اس کے اندر موجود نہیں ہیں تو سمجھ لے کہ ابھی چوتھے مرحلہ میں داخل نہیں ہوا ہے۔ پھر تیسرے مرحلہ کی علامات کا مطالعہ کرے اور روحانی زندگی سے تعلق رکھنے والی صفات کو اپنے اندر تلاش کرے۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ یہ صفات اس کے نفس میں موجود نہیں ہیں تو اسے یقین کر لینا چاہئے کہ وہ تیسرے مرحلہ میں بھی تہی دامن

ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ کا بغور مطالعہ کرے، جو اعمال و فرائض کی تکمیل انجام دہی اور محرمات سے مکمل اجتناب کا مرحلہ ہے۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ اس مرحلہ پر بھی اس میں سستی اور کاہلی پائی جاتی ہے تو یہ بات سو فیصد یقینی ہو جائیگی کہ ابھی وہ پہلے مرحلہ پر کھڑا ہے۔

اپنے مراتب اور مقامات کا یہ مطالعہ سلوک کے طبیعی طریقہ کو اختیار کرنے والے سالکین کے لئے بھی ضروری ہے۔ اگر سالک اس تحقیق اور مطالعہ میں اپنے آپ کو کامیاب پائے تو اسے اس کامیابی پر ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور اسکی حمد و ثنا کرنی چاہئے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ اعراف۔ ۴۳

(اور ہم ان کے سینوں کی تنگی دور کر دیں گے اور ان کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور وہ کہتے ہوں گے تمام حمد اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پانے والے نہ تھے)

دوسرا طریقہ:۔ یہ طریقہ ان لوگوں کے لئے ہے جو فطری لحاظ سے ممتاز اور برجستہ تو نہیں ہوتے لیکن وادیٔ سلوک میں محبت، جذبہ، دلچسپی اور توسل کی بنیاد پر قدم بڑھاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اسی پانچ مراحل والے پروگرام کو محبت اور عشق سے انجام دیتے ہیں نہ کہ طبیعی سیر اور مجاہدہ کے ذریعے، یہ افراد مختلف وسائل جیسے توجہ، مناجات، توسل، دعا، حمد و ثنائے الٰہی پر مشتمل اشعار اور غزلیات، مجالسِ انس اور تذکر وغیرہ سے اپنے عشق و محبت کو شدت اور قوت بہم پہنچاتے ہیں اور سلوک میں توانائی حاصل کرتے ہیں۔

اس طریقے کے مطابق بھی سلوک طبیعی طریقے کی نسبت تیزی سے انجام پاتا ہے اس کے خطرات بھی پہلے طریقے اور طبیعی طریقے کے خطرات سے کمتر ہوتے ہیں۔

جو مطالب اور تذکرات گزشتہ دو طریقوں کے بارے میں بیان ہوئے ہیں اس طریقہ میں بھی بطور احسن مدنظر ہونے چاہئیں۔

یہاں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ سالک براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے یا حضرات معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے توسل سے، اس لئے کہ یہ عظیم ہستیاں اسماء و صفاتِ الٰہی کے تکوینی مظاہر، اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقربین اور روئے زمین پر اس کے نمائندے ہیں۔ چنانچہ زیارت جامعہ میں ہے:

انتم السبیل الاعظم والصراط الاقوم وشهدا دارلفنا وشفعاء دارلبقا والرحمته الموصوله والایت المخزونه۔

(آپ سبیل اعظم اور صراط مستقیم ہیں۔ آپ دنیا میں اعمال پر شاہد اور آخرت میں شفاعت کرنے والے ہیں اور رحمتِ موصولہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان اور روشن نشانی ہیں)

یہاں اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہئے کہ توسل و توجہ اور مجلسِ انس و ذکر کے دوران احکام الٰہی اور فرائضِ دینی کی ذرہ برابر بھی مخالفت نہیں ہونی چاہئے۔ اس بات پر بھی توجہ ہونی چاہئے کہ بعض غیر پابند افراد کی صحبت اور ہم نشینی، سیر و سلوک اور اعمال و اطاعت پر مراقبت میں خلل انداز نہ ہو۔ اسی طرح جو لوگ بصیر و آگاہ نہیں ہیں اور کامل روحانیت کے مالک نہیں ہیں اپنے امور کو ان سے بیان نہ کرنا چاہئے اور نہ ہی ان سے کوئی مشورہ لینا چاہئے۔

اگر کسی شخص سے بعض اعمالِ عجیبہ اور غیر طبیعی امور رونما ہوں یا بلند و بالا دعوے سننے میں آئیں اور اس کے حالات، امور اور صفات مراحلِ سلوک کے ساتھ مطابقت نہ رکھتے ہوں تو یقین کر لینا چاہئے کہ وہ صراطِ حق، قربِ حق اور سلوکِ الٰہی کی راہ سے منحرف ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے غیر معمولی کام بعض علوم غریبہ یا جسمانی اور روحانی ریاضتوں کے ذریعے بھی انجام دیئے جا سکتے ہیں اور رمل، جفر، تنویم، اِحضار، قیافہ اور ان جیسے دیگر علوم غریبہ اکثر مقامات پر ایسے

افراد کے پاس ہوتے ہیں جو صرف اور صرف دنیوی مقاصد رکھتے ہیں اور ہرگز لقاء اللہ کی راہ پر چلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ اسی طرح وہ ریاضتیں جو محدود اور مخصوص مقاصد کے حصول کے لئے ہوتی ہیں ' ان کا بھی لقاءاللہ کی راہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ لوگ گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں۔

دوم۔ سلوک کی ضرورت

لقاءاللہ کی منزل کی طرف سلوک اور سفر' عقل اور شریعت دونوں کی رو سے ہر انسان پر لازم اور واجب ہے۔

عقل کی رو سے

ہر انسان اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ مرتبہ ومقام کے لحاظ سے حیوانات سے بلند مرتبہ ہے ' وہ خود کو ان سے افضل اور اعلیٰ سمجھتا ہے اور حیوانات کو ذلیل ' حقیر ' مملوک ' وحشی ' درندہ ' بہیمہ ' عاجز' جاہل اور محدود سمجھتا ہے۔ البتہ جو افراد کمالِ انسانیت کے حصول کی راہ پر گامزن ہیں' وہ تو اس انداز فکر میں حق بجانب ہیں لیکن وہ افراد جو راہِ کمال سے بے خبر' دنیوی اور مادی زندگی اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتے وہ اس قسم کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

کونسا انسان ہاتھی یا مگرمچھ کی مانند بڑا جسم رکھتا ہے؟

کونسا انسان شیر اور چیتے جیسی جسمانی قوت کا مالک ہے؟

کونسا انسان اونٹ جیسے صبروتحمل کا مالک ہے؟

کونسا صنعت گر ریشم کے کیڑے کی مانند لطافت کے ساتھ کام کر سکتا ہے؟

کونسا معمار چیونٹی اور دیمک کی طرح ظرافت اور دقت سے مکان تعمیر کر سکتا ہے؟

کونسا انسان ہے جو بلبل کی مانند حسن ولطافت سے گا سکتا ہے؟

کونسا انسان پرندوں کی طرح ہوا میں تیزی کے ساتھ اڑ سکتا ہے؟

کونسا انسان مچھلی کی طرح پانی میں زندہ رہ سکتا ہے؟

کونسا انسان حیوانات کی طرح سادہ زندگی بسر کر سکتا ہے؟

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حیوانات اپنے مخصوص طرزِ زندگی کے لحاظ سے انسان کی نسبت بدرجہا بے نیاز تر ' غنی تر ' آزاد تر ' آسودہ تر اور خوشحال تر ہیں۔ انہیں ڈاکٹر ' انجینئر ' دوکان ' تجارتی مراکز ' کلینک ' غلام ' مزدور ' کاریگر ' عمارت ' لباس اور اپنی مخصوص زندگی سے تعلق رکھنے والے امور کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بنا برایں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ انسان جو مادی زندگی کے لحاظ سے ہزاروں قسم کی ضروریات ' فقر ' ضعف ' تنازع ' اختلاف اور مشکلات میں گرفتار ہے ' حیوان پر برتری رکھتا ہے ۔ علم وصنعت کی پیشرفت اور نئی نئی ایجادات حیوانات کی زندگی پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہو رہی ہیں اور انہیں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ صرف اور صرف انسان کے لئے مفید اور مؤثر ہے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مادی انسان ' حیوانات پر برتری کا دعویٰ اور فخر نہیں کر سکتا۔ ہاں انسان یہ ضرور کر سکتا ہے اور اسکی استعداد رکھتا ہے کہ اپنی عقل کی تجویز کے مطابق ' اپنی قوتوں کو صلاح وسعادت اور خیروکمال وخوش بختی کی راہ میں صرف کرے۔ اور جب یہی حقائق منظم اور مستدل صورت میں تفصیلی طبقہ بندی اور تشریح کے ساتھ بیان ہوتے ہیں تو علماءِ اخلاق کی اصطلاح میں انہیں سیروسلوک کہتے ہیں۔

پس عقل کا پہلا حکم اور ایک عاقل انسان کی پہلی تشخیص یہ ہو گی کہ وہ اپنے کمال ' سعادت اور سربلندی کی خاطر جدوجہد اور عمل کرے۔ انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شر' ضرر ' خسارہ اور انحطاط تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ایسی اعلیٰ استعداد اور صلاحیت رکھنے والا انسان اپنی تمام قوتوں کو مادی اور حیوانی زندگی پر

صرف کر کے حیوانات کی طرح تمام معنوی لذائذ ' روحانی مقامات اور انسانی سعادت سے محروم ہو جائے۔

شریعت کی رو سے

اس سلسلہ میں مرحلۂ اول اور مرحلۂ دوم میں مذکور ہونے والی آیاتِ کریمہ کے علاوہ بعض دیگر آیات کو بیان کیا جاتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ تحریم ۔ ۸

(اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ آل عمران ۔ ۱۳۹

(اور سست اور محزون نہ ہو اور تم ہی اعلیٰ ہو اگر تم ایمان رکھنے والے ہو)

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ حشر ۔ ۱۸

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے)

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

(قسم ہے عصر کی انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کی)

بَلِ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ۔ سبا ۔ ۸

(بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں وہ عذاب اور گہری گمراہی میں ہیں)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ۔ جمعہ ۲

(وہی تو ہے جس نے اُمیوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر

اسکی آیات پڑھتا ہے اور انکا تزکیہ کرتا ہے)

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا۔ نسا ۔ ۱۴

(اور۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی حدود سے تجاوز کرے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا)

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ۔ قصص ۔ ۴۷

(اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے)

ان آیات کریمہ سے مندرجہ ذیل مطالب سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ایمان اور تقوا درجات کے اختلاف کے باوجود تمام مراحل میں ضروری ہیں۔

۲۔ توبۂ نصوح اور عملِ صالح دوسرے مرحلہ پر ہیں۔

۳۔ حق اور صبر پر ایک دوسرے کو وصیت کرنا اور تزکیہ نفس ' تیسرے مرحلہ پر ہیں۔

۴۔ استقامت ' اپنی آخرت کے لئے سرمایہ آگے بھیجنا ' آخرت پر ایمان ' حدود اللہ کی پابندی آیات رسول کی اطاعت آغاز سلوک سے آخر تک ضروری ہیں۔

بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ شریعت کی طرف توجہ سے پہلے ہی ضرورتِ سلوک عقلی طور پر ثابت ہے اور اسی اساس پر دین کی ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

اگر کوئی اس راہ میں سستی اور سہل انگاری سے کام لے تو وہ نہ صرف شریعتِ آسمانی کی اساس کی مخالفت کرتا ہے۔ بلکہ اپنی عقل کے حکم کے ساتھ بھی دشمنی کا مرتکب ہوتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ حجرات ۔ ۱۱

(اور جس نے توبہ نہ کی تو وہی لوگ ظالم ہیں)

سوم۔ علم و آگاہی

انسان جو بھی کام انجام دینا چاہے اسکی خصوصیات ' کلیات وجزئیات اور شرائط وموانع کا علم حاصل کرنا عقلاً لازم اور ضروری ہے۔ اگر دنیوی زندگی میں کوئی شخص کاروبار ' تجارت ' صنعت ' زراعت ' مزدوری اور ملازمت میں سے کسی خاص شعبہ کا انتخاب کرتا ہے اور اس میں مشغول ہوتا ہے تو ناچار اور مجبوراً اپنے آپ پر لازم سمجھتا ہے کہ اسے شروع کرنے سے قبل اس کے بارے میں ضروری اور کافی معلومات رکھتا ہو تاکہ اپنے کام کا مطلوبہ اور مفید نتیجہ حاصل کرسکے۔ اگر وہ کسی ایسی راہ کا انتخاب کرلے جسکی خصوصیات ' ضوابط ' شرائط اور موانع سے آگاہ نہ ہو اور آگاہ ہونا بھی نہ چاہتا ہو تو اس صورت میں اسکا اقدام اور عمل ہرگز نتیجہ بخش نہیں ہوگا۔

اسی طرح معنوی راہ پر چلنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اسکی خصوصیات اور منازل کا پہلے سے علم ہو۔

پس پہلے مرحلہ میں سالک توحید ' معاد ' نبوت ' خلافت ' صفاتِ ثبوتیہ اور صفاتِ سلبیہ کے بارے میں کلیات کا علم حاصل کرنے کا محتاج ہے۔

دوسرے مرحلہ میں اس پر لازم ہے کہ عبادات 'واجبات اور عملی فرائض سے متعلق فقہی مسائل اور احکام کا علم حاصل کرے۔ تیسرے مرحلہ میں اس پر لازم ہے کہ علمِ اخلاق ' تزکیۂ نفس اور صفاتِ محمودہ ًمذمومہ کے بارے میں کلیات کا علم حاصل کرے۔ چوتھے مرحلہ میں اس پر ضروری ہے کہ فنائے نفس اور محوِ انانیت کے آثار کے ظہور کی کیفیت کا علم حاصل کرے اور پانچویں مرحلہ میں اس پر لازم ہے کہ امر معروف نہی از منکر ' موضوعات ' احکام اور فرائض کے بارے میں ضروری امور کا علم حاصل کرے۔

اگر کوئی شخص جہل اور نادانی کی حالت میں سلوک کرنا چاہے تو یقیناً دشواریوں ' مشکلات 'مجہولات ' مشتبہات ' انحرافات ' موانع اور تاریکیوں سے دوچار ہوکر رک جائے گا یا گمراہ ہوجائے گا۔

یہ ہے اس حدیث کی حقیقت کہ۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم یعنی "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔ اس لئے کہ عمل 'حرکت اور پیشرفت کا انحصار نورِ آگاہی اور چراغِ علم پر ہے۔ علم کی روشنی کے بغیر تاریک راہوں پر قدم بڑھانا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی دین کو اختیار کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس دین کے ضوابط کا کافی علم رکھتا ہو تاکہ اپنے دین کے تقاضوں پر عمل کرسکے۔ جو لوگ غفلت اور جہالت میں اپنی زندگی کے دن گزار دیتے ہیں ان کا دین ان کے لئے مفید ثمرات فراہم نہیں کرے گا۔

اِنّی اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ ھود۔ ۴۶

(میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہونا)

پس ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے کہ ضروری علمِ دین حاصل کرنے کے لئے ایک کتاب اصولِ دین پر 'ایک کتاب فروعِ دین پر 'ایک کتاب علمِ اخلاق اور تزکیۂ نفس پر اور ایک کتاب آدابِ شرعی پر ضرور پڑھے۔ جو شخص اس حد تک پیشرفت نہ کرے اور اس درجہ تک دینداری ' سلوک الی اللہ اور عبودیت کے لئے خود کو آمادہ نہ کرے اسکا نام مسلمانوں کی فہرست میں درج کرنا خلافِ حقیقت ہوگا۔ بس ظاہری طور پر ہی یہ شخص گروہِ مسلمین میں سے شمار کیا جائے گا۔

اعتزال از مردم

اعتزال کنارہ کشی اور دوری کو کہتے ہیں اور اسکی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ظاہری اور جسمانی کنارہ کشی۔ ۲۔ معنوی اور روحی کنارہ کشی

پہلے تین مراحل میں اعتزال بہت ہی ضروری اور واجب ہے۔ اس لئے کہ ابھی تک سالک ثابت قدم ' مستقر اور مطمئن نہیں ہوتا۔ اسکی روحی توانائی ' تقویٰ کی قوت اور ایمان ومحبت کی شدت ابھی تک وجود میں نہیں آئی ہوتی۔ ایسی حالت میں سالک مختلف قسم کے لوگوں سے میل جول کی صورت میں جلد ہی ان کا

اثر قبول کرلیتا ہے وہ ان کی باتوں اور افکار سے متاثر ہو کر راہِ سلوک میں ست اور متزلزل ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس قسم کا کوئی اثر قبول نہ بھی کرے تب بھی اہلِ عصیان کی صحبت اختیار کرنے اور لہوولعب کی مجالس میں حاضر اور شریک ہونے کے طبعی آثار ضرور سالک کے قلب پر اثر انداز ہو کر اس پر تیرگی طاری کر دیتے ہیں جو بتدریج بڑھتے بڑھتے ابتلا ' مشکلات اور توقف اور انحراف کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اس کے برعکس اہلِ عصیان سے اعتزال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک پاکیزہ افکار کے ساتھ ' آرام وسکون سے کسی رکاوٹ اور خلل کے بغیر فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آزادانہ طور پر اپنی راہ پر چلتے ہوئے اپنے فرائض کو انجام دیتا رہے۔

وَاِذَا اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۔ کہف۔ ۱۶

(اور جب تم ان سے اور ان کے ان معبودوں سے جنہیں وہ اللہ کے علاوہ پوجتے ہیں اعتزال اختیار کرو تو غار میں پناہ لے لو تاکہ تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے اور تمہارے لئے تمہارے امر میں آسانی پیدا کردے)

جب سالک سلوک الی اللہ میں طاقتور اور توانا ہو جائے ' اس کے قدموں میں ثبات اور استحکام پیدا ہو جائے تو اعتزال کی شدت میں اس حد تک کمی کر سکتا ہے کہ وہ مضر نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ ظاہری اعتزال قلب اور باطن کی حفاظت اور مجاہدت و عمل کی فرصت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ اسکا مقصد عصیانِ عملی ' اضطرابِ نفس اور کدورتِ قلبی سے نفس کی حفاظت کرتے ہوئے ' فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے توجہ ' مجاہدت اور اطاعت پر زور دینا ہوتا ہے۔ استقرار و ثبات کے حصول کے بعد فرائض اور مصلحت اندیشی کے پیش نظر اس میں کمی پیدا ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ پانچویں مرحلہ میں سالک اپنی اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے

امر بمعروف و نہی از منکر اور لوگوں کی ہدایت کے لئے پاکیزہ اور خالص نیت لے کر معاشرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

پس اعتزال اور اختلاط کا معیار نفع ' خیر و صلاح اور ضرور و فساد ہے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ ص ۲۴

(بے شک ہم نشینوں کی اکثریت ایک دوسرے پر بغاوت کرتے رہتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے اور یہ لوگ قلیل تعداد میں ہوا کرتے ہیں)

ذکر اللہ

یعنی اللہ کی یاد میں رہنا اور اسکا ذکر کرنا۔

ذکر اللہ سلوک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر سلوک کی حقیقت اور ماہیت ہی یہ ہے کہ انسان فکر و عمل میں ' تمام حرکات و سکنات میں ' تنہائی میں اور اجتماعی فرائض کی ادائیگی کے دوران اور اپنے تمام حالات میں اللہ کی یاد میں رہے۔ اگر کوئی شخص تمام افکار ' اعمال ' اخلاق اور توجہ کے دوران اللہ تعالیٰ سے غافل ہوئے بغیر مکمل طور پر اسکی یاد میں رہے تو وہ سلوک کے مختلف مراحل کے تمام احکام پر عمل کر رہا ہوتا ہے۔ جب سالک اپنے سلوک کے دوران اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے تو اسی غفلت کے متناسب سے اسکے سلوک میں وقفہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بے شک یہی ذکر جب شدت پیدا کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ خلوص وصفا اور صدق و محبت بھی مل جائیں تو لقاء اللہ کی حقیقت وقوع پذیر ہوتی ہے۔

يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ۔ رعد ۲۷ تا ۲۹

(اللہ اپنی طرف ان کو ہدایت کرتا ہے جو توبہ وانابت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں اور خبردار اللہ کے ذکر سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عملِ صالح انجام دیئے وہ بڑے ہی خوش نصیب ہیں اور انکا اچھا انجام ہوگا)

اس آیۂ شریفہ میں اسی حقیقت کا ذکر ہے کہ ذکرُاللہ کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل ہے۔اس آیت میں ہدایت کی ابتداء توبہ اور ایمان کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایمان کے استحکام، عملِ صالح کی بجاآوری اور ذکر کا تسلسل سالک کو مقامِ اطمینان تک پہنچا دیتے ہیں جبکہ اطمینان کے بعد ہدی الیہ اور حسن ماب یعنی لقاءاللہ کی منزل آجاتی ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔ مزمل ۔ ۸

(اور اپنے رب کے اسم کا ذکر کر اور اسکی طرف انقطاع حاصل کر)

تَبَتَّل کے معنی ہر چیز سے منقطع ہو کر اللہ تعالٰی کی طرف خالص اور توحیدی توجہ کرنے کے ہیں۔ اور یہ چیز ذکر کے تسلسل اور استقرار کا نتیجہ ہے۔ذکر کے مقابل نسیان اور غفلت ہیں۔ جس طرح ذکر کو سلوک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے اسی طرح نسیان اور غفلت کا استمرار سلوک کو ناممکن بنا دیتا ہے۔ اگر غفلت اور نسیان سلوک کی راہ میں ایک محدود وقت کے لئے ہوں تو ان کا فساد انگیز اثر بھی اسی تناسب سے ہوگا۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ۔ اعراف ۔ ۲۰۵

(اور اپنے دل میں تضرع اور خوف کے ساتھ اور آشکار آواز کے بغیر، صبح اور شام اپنے رب کا ذکر کرو اور غافل نہ ہو)

ادب

ادب ظرافت اور لطافت کو کہتے ہیں۔ یہ ایک عام مفہوم ہے جس کے مصادیق ہر چیز میں پائے جاتے ہیں۔ کلام، عمل مجالست، اطاعت، لوگوں کے ساتھ معاملات اور اللہ تعالٰی کے ساتھ معاملہ، ان سب میں ادب، ظرافت ولطافت پائی جا سکتی ہے۔

ادب سالک کے لئے لازم اور واجب امور میں سے ایک ہے، چاہے وہ اپنے ذاتی فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو جیسے کھانا، سونا، بیٹھنا، چلنا اور کام کرنا وغیرہ یا دوسروں کے ساتھ معاملہ کی حالت میں ہو جیسے مجالست، مصاحبت، مکالمت، مباحث، مزاوجت، مشارکت، معاملت، مجاہدت اور مسافرت وغیرہ ۔ یا اپنے پروردگار کے سامنے ہو جیسے عبادت، دعا، مناجات، عرضِ حاجت، مسئلت اور عبودیت وغیرہ۔

بہرحال سالک کو تمام حرکات، اعمال، رفتار وگفتار اور راہ سلوک میں پوری توجہ کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے اور ادب کا لحاظ نہ رکھنا، چاہے کسی بھی شعبہ میں ہو، عقل وشرع سے آزاد ہونے، لاابالی پن، لاپرواہی، معروف کے پابند نہ ہونے اور اعمال میں نظم وضبط کے نہ ہونے کی علامت ہے۔

یہاں پر ادب سے ہماری مراد ان تمام قواعد وضوابط کی پابندی ہے جنکا تعلق، دینی، انفرادی، اجتماعی اور عرفی فرائض سے ہو اور وہ عقل وشریعت کی رو سے پسندیدہ ہونے کے علاوہ عقل وشریعت کے لحاظ سے سالک کو مضبوط کرتے ہوں۔

مستحبات کا زیادہ تر حصہ آداب سے تعلق رکھتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ اچھے عرفی آداب کے علاوہ شرعی آداب سے بھی خواب واقف ہو اور اس موضوع پر مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں۔ کلمہ "معروف" ان پسندیدہ آداب کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ اعراف ۔ ۱۱۹

(عفو کو اختیار کر اور اچھائی کا حکم دے اور جاہلوں سے منہ پھیر لے)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى۔ بقرہ۔ ۲۶۳

(اچھی بات اور بخشش اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت ہو)

یہ بیان ہو چکا ہے کہ ادب ' لطافت اور ظرافت کو کہتے ہیں اور یہ کہ ظریف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ معروف کا مصداق ہو۔ جبکہ معروف اس چیز کو کہتے ہیں جسے عقل اور شریعت تسلیم کرتی ہو۔ اس کے مقابل منکر ہے یعنی وہ چیز جس کا عقل و شرع انکار کرتے ہوں۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ لقمان۔ ۱۷

(اے بیٹے! نماز قائم کرو امر معروف اور نہی از منکر کرو)

عُجب

عجب کسی چیز کو بڑا سمجھنے کو کہتے ہیں۔ اگر انسان اپنے ' اپنی صفات ' حالات اور اعمال کے بارے میں عجب کا شکار ہو جائے تو یہ راہِ سلوک میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ انسان صرف اسی صورت میں حصولِ فضائل وکمالات کی طرف مائل ہوتا ہے جب خود کو ان کا ضرورتمند ' اور ضعیف سمجھے اگر انسان اپنے آپ کو بڑا اور بے نیاز سمجھنے لگ جائے ' اپنے حال یا کسی عمل کو پسندیدہ ' قابلِ قدر اور مطلوب سمجھنا شروع کردے اور اپنے آپ کو مکمل تصور کرنے لگے تو پھر اپنے نقائص کی اصلاح اور کمالات کے طلب کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرے گا۔

لہٰذا سالک پر لازم ہے کہ سلوک کے تمام مراحل میں عجب سے پرہیز کرے۔ دوسرے مرحلہ میں اپنی عبادات کو پسندیدہ قرار دیکر فخر نہ کرے ' تیسرے مرحلہ میں یہ نہ سوچے کہ اسکا تزکیہ نفس مکمل ہو چکا ہے اور اسکی باطنی صفات پاکیزہ ہو چکی ہیں۔ چوتھے مرحلہ میں اپنے نفس کو مطلوب و مقصود سمجھ کر اس پر توجہ نہ کرے۔

ان سب سے بڑے اور سب سے تاریک حجاب کو دور کرنے کے لئے چوتھے مرحلہ کے پہلے حصہ کو توجہ کے ساتھ چند مرتبہ پڑھنا چاہئے اور یہ جان لینا چاہئے

کہ انسان بہت ضعیف ہے ' اسکی قوت اور توانائی مستقل نہیں اور اپنے قادر ' کریم اور محیط پروردگار کی توجہ اور قدرت کا محتاج ہے ' لہٰذا اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو یا اپنے اعمال اور صفات کو قابل ستائش سمجھے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ اعراف۔ ۱۸۸

(کہہ دیجئے میں اپنے لئے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ نسا۔ ۴۹

(کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ قرار دیتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے)

بے شک صفت یا عمل کی بنیاد پر پیدا ہونے والی خودپسندی جب شدت اور قوت اختیار کرلیتی ہے تو استکبارِ مطلق کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت ' اس کے جلال ' اسکی لامحدود ' مطلق اور نافذ و محیط حکومت کے سامنے بڑا سمجھنے لگتا ہے۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۔ فرقان۔ ۲۱

(انہوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیا اور بہت بڑی سرکشی کی)

پس عجب استکبار کا مقدمہ اور اسکا ایک ضعیف مرتبہ ہے جبکہ استکبار شرک کی حد پر ہے۔ اس کے برعکس طغیان ' عدوان اور عصیان کا سرچشمہ ہے اور اپنے مقام پر عجب بھی طغیان کا موجب ہے۔

حلم

غضب اور جذبات کے ہیجان پر قابو رکھنے کو حلم کہتے ہیں۔ یہ ان صفات میں سے ہے جو سلوک کے پہلے قدم سے ہی سالک کے لئے ضروری ہیں ۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ غضب کے اشتعال اور ہیجان سے اپنے نفس اور قوتوں کو محفوظ رکھے۔ تمام حالات ' اوقات اور واقعات میں سکون واطمینان اور صبرو بردباری

سے کام لینا سالک کے لئے انتہائی اہم ہے۔

پس یہ صفت غضب ' اضطراب اور احساسات کے مقابل حاصل ہوتی ہے۔
حلیم انسان مختلف قسم کے حوادث وواقعات کے سامنے مکمل طور پر مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے اور اپنے کردار وگفتار کو آرام وسکون کے ساتھ انجام دیتا ہے۔
اگر سالک اپنے نفس کی تندی اور سرکشی کو قابو میں نہ کرسکے تو ہرگز ایسے سیروسلوک پر اطمینان اور اعتماد نہیں کرسکتا۔ ایسی صورت میں ہرقدم پر انحراف ' توقف اور سقوط جیسے خطرات کا امکان موجود ہوتا ہے۔

اگر پہلے مرحلہ میں سالک حلیم نہ ہو تو ممکن ہے وہ اپنے افکار وعقائد میں دوسروں کے جذبات وغیرہ سے متاثر ہو جائے اور مختصرمدت کے بعد اضطراب اور تزلزل میں مبتلا ہو جائے۔

دوسرے مرحلہ میں ممکن ہے ایک سخت اور بے موقع بات یا بلاسوچے سمجھے اور تدبر کے بغیر' جلد بازی میں کئے گئے کسی عمل کی وجہ سے اپنے تمام گزشتہ اعمال کو حبط اور ضائع کردے۔

اگر تیسرے مرحلہ میں حلم نہ ہو تو بہت سی صفاتِ محمودہ جیسا کہ صبر' استقامت 'تحمل 'خشوع 'خضوع ' تقوا اطمینان اور مراقبت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

چوتھے مرحلہ میں بھی ضروری ہے کہ مکمل صبر' حوصلہ ' سکون اور استقامت کے ساتھ انانیت اور اس کے آثار کو مٹانے کی جدوجہد کرتا رہے۔

پانچویں مرحلہ میں گزشتہ تمام مراحل کی نسبت زیادہ حلیم ہونا چاہئے تاکہ لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے' اور امر بمعروف ونہی از منکر جیسے الٰہی فرائض کو حلم اور اطمینان سے انجام دے سکے۔

حلم اور حُلَم ایک ہی مادہ سے لئے گئے ہیں۔ حُلَم بلوغ کو کہتے ہیں۔ بنابرایں صفتِ حلم انسان کے بلوغ اور رشد کی علامت ہے اس لئے کہ گزشتہ اضطراب تزلزلِ خاطر' عدمِ استقلال اور بے اطمینانی برطرف ہو چکی ہوتی ہے اور بلوغ

ورشد کی وجہ سے انسان حلیم ہو چکا ہوتا ہے۔

تفکر

تفکر سوچ وبچار کو کہتے ہیں۔ سالک جس مرتبہ پر بھی ہو اس پر لازم ہے کہ اس مرتبہ کی مناسبت سے اپنے اوپر عائد ہونے والے امور اور فرائض کے بارے میں صحیح اور گہرے غوروفکر کے ساتھ ان کی خصوصیات کی معرفت حاصل کرے اور انہیں بطورِ احسن انجام دے کر مطلوبہ نتائج حاصل کرے۔

یہ بات یقینی اور تسلیم شدہ ہے کہ انسان جس شعبہ سے بھی تعلق رکھتا ہو صرف اسی صورت میں مطلوبہ نتائج حاصل کرسکتا ہے جب وہ اپنے عملی اقدامات کی عمارت مکمل توجہ کے ساتھ ' صحیح غوروفکر کی بنیاد پر استوار کرے تاکہ مستقبل میں اچھی پیشرفت اور ترقی کرسکے۔ پس نتیجہ یہ کہ فکر' عمل کی روح ہے۔ جو عمل صحیح فکری بنیاد پر استوار نہ ہو وہ نہ صرف یہ کہ مفید اور نتیجہ بخش نہیں ہوتا بلکہ اسکا منفی اور معکوس اثر ہوتا ہے۔

سلوک الی اللہ کے پہلے مرحلہ کی اساس تو صرف آزادانہ فکر ہے تاکہ سالک درست ' آزاد اور صحتمند سوچ کے نتیجہ میں مبدا ومعاد اور خلافت ورسالت پر ایمان لاسکے۔

دوسرے مرحلہ میں عمل کی قدروقیمت کا معیار یہ ہے کہ وہ صحیح اور گہری فکر کی بنیاد پر انجام دیا گیا ہو۔ یعنی یہ کہ ہر عمل کو اسکی شرائط ' مقدمات ' ظاہر ' باطنَ اسرار ' آثار اور نتائج جیسی خصوصیات پر گہری فکر اور ان سے مکمل آگاہی کے ساتھ انجام دیا جائے۔جو اعمال غور وفکر کے بغیر انجام دیئے جائیں ان کی قدروقیمت کم ہوتی ہے۔

تیسرے مرحلہ میں انسان دقیق اور گہری سوچ کے ذریعے ہی مادی یا معنوی زندگی کا انتخاب کرسکتا ہے اور اس کے بعد معنوی اور روحانی زندگی کی خصوصیات

کے تقاضوں کے مطابق ضروری صفات اپنے اندر پیدا کر کے دنیوی مادی زندگی کی صفات سے نفس کو پاکیزہ کرنا ہے۔ تخلیہ و تحلیہ ' دونوں کے لئے فکر کی ضرورت مسلم ہے۔

چوتھے مرحلہ میں عمیق تدبر اور تفکر کے ذریعے ہی انانیت کے وجود 'اس کے فساد اور حجاب ہونے کو درک کیا جا سکتا ہے اور اسکا قلع قمع کرنے کی کیفیت سے آگاہی حاصل کرنا بھی فکر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

پانچویں مرحلہ میں تفکر اور تدبر کی ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب سالک اپنے آپ سے فراغت حاصل کرلیتا ہے تو اسکی سوچ اور فکر کا رخ پوری طور پر اسماء وصفاتِ الٰہی ' تجلیات وافعالِ حق 'آیاتِ تکوینیہ وتشریعیہ اور حقائق ومعارفِ روحانی کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس مرحلہ میں سالک کی روح ایک روحانی عالم سے مانوس ہو جاتی ہے 'آسمانوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں' اسکی بصارت اور بصیرت میں تیزی آجاتی ہے 'اس کے سامنے سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور وہ عالم غیب کے علوم وحقائق سے آگاہ ہو کر معارفِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ آل عمران ۱۹۱

(وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے ہیں)

اس آیہ شریفہ کی رو سے فکر کا مرحلہ ذکر کے بعد ہے۔ ذکر کلی طور پر ہوتا ہے لیکن فکر معانی کی خصوصیات اور مخصوص مفاہیم میں ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ذکر اجمالی طور پر ہوتا ہے اور فکر تفصیلی طور پر۔

تفکر کے اچھے نتائج اور اہمیت کا انداز اس روایت اور اس کے ہم معنی دوسری روایات سے واضح اور آشکار ہو جاتا ہے کہ:

تفکر الساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنہ

ایک گھڑی غور وفکر کرنا ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

تقوا

تقوا حفاظت اور نگہبانی کرنے کو کہتے ہیں۔ سالک پر لازم کہ اپنے تمام مراحل ومراتب میں تقوا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

پہلے مرحلہ میں مکمل آزادی' غیر جانبداری اور توجہ کے ساتھ مبدا ومعاد اور رسالت وخلافت کے بارے میں تفکر اور تحقیق کرتے ہوئے اپنے افکار وعقائد کو انحرافات اور ہوا وہوس سے محفوظ رکھے۔

دوسرے مرحلہ میں اپنے اعمال کو آلودگی سے پاکیزہ کرے۔ برے اور فاسد' اللہ کی پسند اور حقیقت کے خلاف' ناپسندیدہ اخلاق سے خود کو محفوظ رکھے۔

تیسرے مرحلہ میں اخلاقی اور نفسانی صفات کے حوالے سے مکمل مراقبت کے ساتھ اپنے قلب کی حفاظت کرتے ہوئے صفاتِ مذمومہ سے قلب کو پاکیزہ رکھے۔

چوتھے مرحلہ میں اپنے آپ کو انانیت اور خودپسندی کے آثار سے جو کہ حجاب اکبر ہے' محفوظ رکھے۔

پانچویں مرحلہ میں سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے کردار وگفتار' اپنے انفرادی' اجتماعی' الٰہی' عقلی اور عرفی فرائض کو تقوا کے ساتھ انجام دے اور اپنے آپ کو ہر اس چیز سے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو محفوظ رکھے۔ تقوا کے تین مراتب ہیں۔

مرتبہ اول :۔ عذابِ الٰہی ' جہنم اور موجباتِ جہنم سے تقوا۔ یہ مرتبہ عام طور پر اور ہر طبقہ کے افراد میں پیدا ہو جاتا ہے۔

مرتبہ دوم :۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی سے تقوا۔ یہ مرتبہ ان سالکین کے لئے مخصوص ہے جو کمال اور لقاء اللہ کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔ اس جہت

میں تمام ممنوعہ امور کے ساتھ ساتھ مشتبہ امور سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

مرتبہ سوم :۔ تقوا در راہ خدا وبرائے خدا ۔ یہ مرتبہ بندگانِ خاص، مخلصین کے لئے مخصوص ہے۔اس کے لئے لازم ہے کہ ہر اس چیز سے پرہیز اور دوری اختیار کی جائے جو لقاء اللہ کی راہ میں رکاوٹ ہو۔

پس تقویٰ ہر سالک بلکہ ہر مسلمان کے لئے تمام حالات میں بغیر کسی وقفہ کے لازم اور واجب ہے۔ جو شخص تقوا کو اختیار نہ کرے تو کھرے حساب کی بنیاد پر اسے سالک یا مسلمان نہیں سمجھنا چاہئے۔

قرآن شریف میں تقویٰ کو فجور، عدوان اور اثم کے مقابل قرار دیا گیا ہے ۔ پس جس شخص کے دل میں تقوا نہ ہو اس کے دل پر فجور، عدوان اور اثم کی حکمرانی ہوگی۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ شمس ۸

(پھر اسے فجور اور تقوا کی پہچان کرائی)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ مائدہ۔ ۲

(اور نیکی اور تقوا پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہو اور اثم اور عدوان پر تعاون نہ کرو)

قرآن شریف کے آغاز میں ہدایت اور اسکی تاثیر کو متقین سے مخصوص کر دیا گیا ہے ۔ ہدی للمتقین۔ اس لئے کہ انسان کا نفس، قلب، فکر اور عمل تقوا کی بنیاد پر نہ ہو تو پھر وہ فجور، طغیان اور عصیان سے بھرپور دل کے ساتھ کس طرح قرآن کی طرف توجہ کر سکتا ہے۔

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ۔ رعد ۔ ۳۵

(یہ تقوا والوں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام آگ ہے)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا۔ انفال ۔۲۹

(اے ایمان والو اگر تم تقوائے الٰہی اختیار کرو تو وہ تمہیں حق وباطل کا فرق

جاننے کی صلاحیت عطا کرے گا)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ بقرہ ۔ ۱۹۴

(اور تقوائے الٰہی اختیار کرو اور جان لو کہ بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔ انفال ۔ ۶

(اور جو شخص تقوائے الٰہی اختیار کرے تو وہ اس کے کام کو آسان بنا دے گا)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ حجرات ۔ ۱۳

(بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے بے شک اللہ علیم اور خبیر ہے)

خاتمہ

لقاء اللہ سے متعلق آیات

یہاں تک لقاءاللہ سے متعلق دو حصوں میں گفتگو ہو چکی ہے جو یہ ہیں۔

پہلا حصہ ۔ سلوک کے پانچ مراحل کے بارے میں

دوسرا حصہ ۔ ان دس کلی امور کے بارے میں جن کا لحاظ رکھنا تمام مراحل میں لازم اور ضروری ہے۔

خاتمہ کتاب میں مناسب ہے کہ دو اور حصوں پر بھی بحث کی جائے۔

اول : حقیقت لقاء اللہ سے تعلق رکھنے والی آیات

دوم :۔ اس بحث کے ساتھ مناسبت رکھنے والی روایات اور دعائیں۔

ان دو حصوں میں ہم اجمالی طور پر متعلقہ آیات ' بعض روایات اور ادعیہ کی طرف اشارہ کریں گے۔

اللہ تعالٰی سے ہماری دعا ہے کہ ہمیں ان حقائق کی طرف ہدایت فرمائے اور معارفِ حقہ الٰہی کو ہمارے قلوب میں راسخ کرے۔ وہ اچھا توفیق دینے والا اور اچھا مددگار ہے۔

لقاء اللہ کے بارے میں آیات۔

لقاءاللہ سے تعلق رکھنے والی بعض آیاتِ کریمہ گزشتہ مراحل میں بیان ہو چکی ہیں۔ بعض آیات جو معنوی طور پر لقاء سے تعلق رکھتی ہیں مزید حقیقت نمائی کی خاطر بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ رؤیت سے متعلق آیات

لقا کے معنی میں یہ بیان ہوا تھا کہ یہ دو افراد کے ایک دوسرے کے مقابل اور آمنے سامنے ہونے سے عبارت ہے۔

جبکہ رویت کسی چیز کے قوت باصرہ سے ادراک کو کہتے ہیں۔

لقاء کے مفہوم میں رؤیت سے زائد امور کو مدنظر رکھا جاتا ہے جیسا کہ طرفین کے درمیان زائد قرب، اسکا استمرار اور طرفین کی طرف اسکی نسبت ' جبکہ رویت یک طرفہ اور بہت کم وقت میں بھی ہو سکتی ہے۔

جب رؤیت کا تعلق اللہ تعالٰی سے ہو جو کہ مادی، زمانی، مکانی اور ذاتی حدود سے پاکیزہ اور منزہ ہے تو اسکی رویت بھی مادی اور جسمانی حدود سے باہر ہوگی۔

پس اللہ تعالٰی کی رؤیت سے مراد اس کے نور اور صفاتِ جلال وجمال کی عظمت کا باصرۂ روحانی سے مشاہدہ کرنا ہے یہ شہود اسی وقت ممکن ہے جب حبِ دنیا، باطنی آلائشات اور انانیت کے تینوں حجاب برطرف ہو چکے ہوں اور انسان کی روح مکمل طور پر صفا وخلوص اور روحانیت ونورانیت جیسی صفات سے مزین ہو چکی ہو۔ اس حالت میں روحانی آنکھ تیز بین اور روشن ہو چکی ہوتی ہے۔

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ۔ قیامت ۔ ۲۲۔ ۲۳

(اس دن کچھ چہرے شگفتہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف نظر کرنے والے ہوں گے)

کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ مطففین ۔ ۱۵

(ہرگز نہیں بے شک یہ اس دن اپنے رب سے محجوب ہیں)

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ اعراف ۱۴۳

(موسی نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا میں تیری طرف نظر کروں۔ کہا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ، پس اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو پھر تو مجھے دیکھ لے گا پس جب اسکا رب پہاڑ کے لئے متجلی ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے)

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ' محجوبیت کے تین اسباب ہیں۔ دنیا اور دنیوی امور

مثلاً مال ، شہرت، اولاد اور مادی خواہشات وغیرہ کی محبت ۔ دنیوی زندگی کی محبت سے پیدا ہونے والی بری صفات سے قلب کا آلود ، ہونا اور انانیت وخودپسندی ، جو کہ خودِ نفس ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن مجوبین سے کہا جائے گا:۔

اِنْطَلِقُوْا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ۔ مرسلات ۳۰-۳۱

(اس سائے کی طرف چلے جاؤ جس کے تین شعبے ہیں۔ نہ اسکا سایہ ہے اور نہ ہی وہ شعلوں سے بچا سکتا ہے)

اس لحاظ سے عالمِ آخرت اور عالمِ دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ آخرت میں دنیا کی زندگی کی حقیقت ظاہر ہوگی۔ آخرت میں وہی شخص مجوب ہو گا جو دنیا میں مجوب رہا ہو گا اور رؤیت کا معاملہ بھی اس طرح ہے:

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ بنی اسرائیل ۷۲

(اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا)

باقی رہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست ۔ **اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ** "مجھے دکھا میں تیری طرف نظر کروں"

اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ درخواستِ انس ، مکالمہ اور لقاء کے بعد کی گئی تھی جسکی وضاحت یوں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِىْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ اعراف ۔ ۱۴۳

(اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بات کی تو کہا اے میرے رب مجھے دکھا میں تیری طرف نظر کروں)

اس آیہ کریمہ کی رو سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت موسیٰ میقات پر حاضر اور خدا سے ہمکلام تھے۔ اور اس میں شک نہیں کہ رویتِ قلبی اور لقاء کا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ رویت اور لقاء اللہ کا شرف جیسے بھی حاصل ہو گا اس کے مراتب میں اختلاف کے باوجود رؤیت اور لقا مفصل اور دقیق نہیں ہوں گے اس لئے کہ ضعیف اور فقیر انسان میں اس بات کی استعداد اور قابلیت

موجود نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود نور کا سو فیصد اور مکمل مشاہدہ کرے ۔ لیکن بعض اوقات شدید اشتیاق اور محبت کے باعث انسان اپنی فکر اور طبیعت کے خلاف قدم اٹھا کر لب کشائی کرتا ہے اور استعداد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر سختی اور ابتلا میں گرفتار ہونے پر آمادہ ہو کر درخواست کرتا ہے ۔ اس لئے کہ **حُبُّ الشَّیءِ يُعْمِىْ وَيُصِمُّ** "کسی چیز کی محبت اندھا اور گونگا کر دیتی ہے"۔

یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ انہوں نے شدید محبت اور اشتیاقِ تام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اپنی قدرت سے انہیں تفصیلی رؤیت کا اعزاز عطا کرے۔ اور "اَرِنِىْ" "مجھے دکھا" اس بات کا اعتراف تھا کہ وہ اس متوقع رویت کی نسبت ضعیف ہیں اور خدا اپنی قدرت سے ہی اپنا تفصیلی جلوہ دکھا سکتا ہے ۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا سہارا لیکر یہ دعا کی۔ اسی لئے "رب" سے دعا کا آغاز کیا۔ انہوں نے اپنی درخواست کی یہ وضاحت بھی کر دی کہ انکا مقصود صرف رویت ہی نہیں بلکہ "نظر کرنا" ہے جو دقیق ، تفصیلی اور غور و فکر کے ساتھ رویت کو کہا جاتا ہے۔

اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کا منطقی اور برہانی جواب موجود تھا لیکن ان کے اشتیاق کی شدت کے پیش نظر ان کی پیاس بجھانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی درخواست کے صرف قولی جواب پر اکتفا نہ کیا جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں یہ دکھا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود نور کو دیکھنے کی استعداد نہیں رکھتے لہٰذا فرمایا **لَنْ تَرٰىنِىْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ**

یوں اس تجلی سے یہ سمجھا دیا گیا کہ تفصیلی رویت سے انکار کی وجہ قوتِ باصرہ کا ضعف اور عدمِ استعداد ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیض و کرم کی عطا کو بخل کی وجہ سے نہیں روکتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ کو جواب دیتے وقت نظر کی بجائے رویت کا مادہ استعمال کرتے ہوئے "لن ترانی" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر

لامحدود اور غیر مشروط ، حقیقی و تفصیلی رویت کی نفی مقصود ہے۔

پس یہاں یہ بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور اور صفاتِ جلال وجمال کی رویت ، نظر اور لقا سالک کی حدود اور استعداد کی مناسبت سے ہوتی ہے نہ کہ خداوند کریم کی ذات کی نسبت سے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے کہ:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ انعام ۔ ۱۰۳

(بصارتیں اسکا ادراک نہیں کر سکتی اور وہ بصارتوں کا ادراک کر سکتا ہے)

اس لئے کہ ادراک میں وصول اور احاطہ کے معانی پائے جاتے ہیں۔

اور آیہ شریفہ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ قیامت ۲۲ ، ۲۳۔

(اس دن کچھ چہرے شگفتہ ہوں گے اپنے رب کی طرف نظر کرنے والے ہوں گے)

یہاں لفظ " نظر " اس لئے استعمال ہوا ہے کہ قیامت کے دن مادی دنیوی حدود اور تعلقات برطرف ہو جائیں گے جس سے ان چہروں میں تجلیات ربانی کے مشاہدہ کرنے کی استعداد اور صلاحیت میں اضافہ ہو جائے گا۔

قربِ الٰہی سے متعلق آیات

قرب نزدیک ہونے کو کہتے ہیں جو یا تو مکانی ہوتا ہے ، یعنی دو اشیاء جگہ اور مکان کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں ، یا زمانی ہوتا ہے ، یا رشتہ داری اور قرابتداری کے لحاظ سے ہوتا ہے ، یا شکل وصورت اور ظاہری امور میں ہوتا ہے یا پھر باطنی اور روحی صفات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں قرب کی پہلی چار صورتیں قابل تصور نہیں ہیں اس لئے کہ وہ زمان ومکان اور تولد و شبہ سے منزہ اور پاکیزہ ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ ، وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ، لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔

وہ اول و آخر ہے۔ وہ ہر شے پر محیط ہے۔ اس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ کسی نے اسے جنم دیا۔ کوئی شی اسکی مانند نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے قرب کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان حدود وقیود کو برطرف کرکے ، اندرونی اور بیرونی حجابات سے آزاد ہو کر ، روحانیت ، صفا ، تعلقات سے تنزہ اور تجرد ، خلوص اور طہارت جیسی صفات روحانی سے مزین ہو کر ، اسکی عظمت کے نور کے سامنے فانی ہو جائے۔ جس قدر ان صفات میں شدت ، قوت اور کمال زیادہ ہو گا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے قرب مستحکم اور پائیدار ہو گا اور قرب کی حقیقت بھی یہی ہے ، اس لئے کہ اس قسم کا قرب اشیاء کی ذوات اور طرفین کی ذاتی صفات سے مربوط ہوتا ہے جبکہ زمان ومکان ، رشتہ داری اور ظاہری شناخت کی بنیاد پر پیدا ہونے والا قرب حقیقی اور پائیدار نہیں ہوتا۔

جب بندے اور خدا کے درمیان قرب کا یہ تعلق قائم ہو جائے تو اسکا لازمی نتیجہ رؤیت اور لقا کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ۔ واقعہ ۸۸ ، ۸۹

(پس اگر وہ مقربین میں سے ہوا تو اس کے لئے روح ، ریحان اور نعمتوں والی جنت ہے)

رَوح غیر مادی نسیم کو کہتے ہیں جبکہ ریح مادی نسیم کو کہتے ہیں اور ریحان زندگی کے متوسط بہاؤ اور جریان کو کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے "التحقیق" کی طرف رجوع کریں۔

روح کا مادہ بھی یہی ہے اور اسکے معنی فیض ورحمت کی تجلی اور ظہور کے ہیں۔

پس مقربین ، جو صفا ، تجرد ، طہارت اور فنا جیسی صفات سے آراستہ ہو چکے ہوں وہ نسمات (روحانی نسیموں) اور رحمتِ الٰہی کی تجلیات کی فضا میں زندگی بسر کرتے ہیں ، اور حجابات ، کدورتوں اور اندرونی وبیرونی تاریکیوں کے برطرف ہو

جانے کی وجہ سے انوار جلال جمالِ الٰہی کی تجلیات سے محظوظ ہوتے ہیں۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ نجم۔ ۸ تا ۱۱

(پھر نزدیک ہوئے اور خاضع ہو گئے اور قاب قوسین سے بھی زیادہ قریب ہو گئے پھر اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی اور جو کچھ ان کے قلب نے دیکھا وہ جھوٹ نہ تھا)

مراد یہ ہے کہ واقعہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل خضوع اور انکساری کی حالت میں خود سے بیخود ہو گئے اور یہ ارتباطِ کامل کی حالت تھی۔ اسی حالت میں وحی اور رؤیت کا وقوع عمل میں آیا اور فواد یعنی قلب کو استقرار اور اطمینان کی حالت ملی۔ پس یہ ایک کلی مفہوم اور مقامِ معلوم ہے جسکے بہت سے برجستہ آثار ہوتے ہیں اس لئے کہ اس میں دوری اور فاصلہ کے اسباب کو برطرف کرنا' قرب کے حجابات اور رکاوٹوں کو دور کرنا' اور وصل وتعلق کی برقراری منظورِ نظر ہوتی ہے۔ جب انسان فیض ورحمت کے سرچشمہ سے قریب ہو جاتا ہے اور نورِ لاھوت سے تعلق پیدا کرلیتا ہے تو لقاء' فیض اور نور حاصل ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے بندوں اور اولیاء کے رزق سے متعلق آیات:

رزق وہ نعمت ہے جو مادی یا معنوی زندگی کی بقا کے لئے دی جاتی ہے۔ رزق کی حقیقت یہ ہے کہ وہ انسان کی ضروریات کی تکمیل' ضائع شدہ قوت کی بحالی انسان کی جسمانی وروحانی کمی کو برطرف کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ رزق تمام زندہ موجودات کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ موجودات کی ہر نوع اپنے مزاج اور خصوصیات کی مناسبت سے مخصوص رزق کی ضرورت مند ہے۔ مادی زندہ موجودات کے لئے آب، خاک' ہوا' نباتات اور حیوانات جیسی چیزیں رزق ہیں

جبکہ روحانی زندگی کے لئے ذکر' توجہ' رؤیت' نظر' لقاء' شہود' انس' ذوق' ہیجان اور وجد۔

جس شخص کی زندگی کا مطلوب ومقصود صرف لقا اور ربِ جلیل کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو تو اسکا رزق بھی اسی اعتبار سے ہو گا۔ اسکی دوسری خواہشات اور تمناؤں کا جواب نہیں ملے گا۔ چنانچہ جب انسان جسمانی قوت کے اعتبار سے غذا کا محتاج ہو تو روحانی غذا سے اسکی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ۔ صافات۔ ۳۹۔ ۴۱

(اور تمہیں وہی بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے' ان کے لئے ایک معلوم رزق ہے)

وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی۔ طٰہٰ ۱۳۱

(اور تیرے رب کا رزق اچھا اور باقی رہنے والا ہے)

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ انفال ۴

(یہی حقیقی مومنین ہیں ان کے لئے ان رب کے پاس درجات' مغفرت اور رزق کریم ہے)

بے شک جو لوگ تکویناً سلوک ومجاہدت کے ذریعے خالص ہو جاتے ہیں وہ اپنے لئے کوئی عمل ذخیرہ نہیں کرتے اس لئے کہ ان مین انانیت اور خودپسندی نہیں ہوتی وہ نور عظمت حق میں فانی اور محو ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے تمام اعمال وحرکات صرف فرائضِ بندگی کی ادائیگی کی نیت سے انجام پاتے ہیں اور اپنے منافع اور دوسرے مقاصد ان کے مدنظر نہیں ہوتے۔ وہ اپنے لئے کوئی عمل انجام نہیں دیتے لہٰذا اس کے نتیجہ اور پاداش کی توقع بھی نہیں رکھتے بلکہ ایسی باتوں سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنے مخصوص لطف اور توجہ کا سایہ کرتا ہے اور انہیں رزقِ معلوم عطا کرتا ہے۔

پس جو لوگ مخلص ہوں اور تمام آلائشات سے پاکیزہ اور خالص ہو چکے ہوں وہ انانیت کو مٹا کر اللہ کی عظمت کے نور سے کسبِ نور کرتے ہیں اور ان کا رزقِ مخصوص صرف لقاء، محویت ، نظر اور حیرت ہوتا ہے۔

ان مسائل کے علاوہ کچھ اور امور بھی ہیں جو لقاء اللہ کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس رسالہ میں اختصار مدنظر ہے لہٰذا ہم ان کی تشریح سے صرف نظر کرتے ہیں۔

لقاء اللہ سے متعلق روایات اور دعائیں

یہاں ہم بعض ایسی روایات اور دعاؤں کی طرف اشارہ کریں گے جو کتبِ معتبرہ میں وارد ہوئی ہیں اور لقاء اللہ کے موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

صحیفہ سماجی (مناجات صہ ۷٦) **الهی ماا شد شوقی الی لقائک واعظم رجائی لجزائک**

(اے میرے معبود مجھے تیری لقا کا کتنا شدید شوق اور تیری جزا کی کتنی بڑی امید ہے)

مناجات شعبان صہ ۹٦ ۔ **الهی فسرنی بلقائک یوم تقضی فیہ۔**

(اے میرے معبود جس روز تو فیصلہ کرے گا مجھے اپنی لقاء کا سرور عطا کر)

دعائے لیلتہ الھریر صہ ۱٦۳ **وارزقنی شوقا الی لقائک ونصرا فی نصرک حتی اجد حلاوۃ فی ذلک قلبی**

(اور مجھے اپنی لقا کا شوق اور اپنی نصرت میں نصرت عطا فرما حتی کہ میں اسکی لذت اپنے قلب میں پالوں)

صحیفہ سجادیہ ثانیہ ۔ از شیخ حر عاملی ۔ مناجات مریدین۔

ولقائوک قرۃ عینی ووصلک منی نفسی والیک شوقی۔

(اور تیری لقا میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ' تیرا وصال میری آرزو ہے اور میرا شوق تیری طرف ہے)

مناجات محبین ۔ **واخلصتہ لودک ومحبتک وشوقتہ الی لقائک**

(اور تو نے اسے اپنی محبت کے لئے خالص کر دیا اور اپنی لقا کا شوق اس میں پیدا کر دیا)

مناجات متوسلین : **واقررت اعینھم بالنظر الیک یوم لقائک**

(اور تو نے اپنی لقا کے دن اپنی طرف نظر سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی)

مناجات مفتقرین۔ **وغلتی لایبردھا الا وصلک ولوعتی لایطفیھا الا لقائک۔**

(اور میری پیاس کو تیرا وصال ہی بجھا سکتا ہے اور میرے قلب کی حرارت کو تیری لقا ہی سرد کر سکتی ہے)

امالی صدوق ۔ مجلس ۳٦ ۔ **فقال اللہ جل جلالہ یاملک الموت اذھب الیہ (ابراہیم) وقل لہ ھل رایت حبیبا یکرہ لقاء حبیبہ ان الحبیب یحب لقاء حبیبہ۔**

(اللہ تعالٰی نے ملک الموت سے کہا ابراہیم علیہ السلام کی طرف جاؤ اور ان سے کہو آیا آپ نے ایسا محب دیکھا ہے جو محبوب کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہو۔ بے شک محب تو محبوب کی ملاقات کو پسند کرتا ہے)

مکارم الاخلاق ۔ باب ۱۲ فصل ۴ ۔ **یابن مسعود قصرا ملک فاذا اصبحت فقل انی لا امسی واذا امسیت فقل انی لا اصبح واعزم علی مفارقۃ الدنیا واحب لقاء اللہ ولا تکرہ لقائہ فان اللہ یحب لقاء من یحب لقائہ ویکرہ لقاء من یکرہ لقائہ۔**

(اے ابن مسعود اپنی آرزو کو چھوٹا کرو پس جب صبح ہو تو یہ کہو کہ میں شام کو زندہ نہیں ہوں گا اور جب شام ہو تو کہو میں صبح کو زندہ نہیں ہوں گا اور دنیا سے چل دینے کا عزم کر لو۔ اللہ سے ملاقات کو پسند کرو اور اسکی ملاقات کو ناپسند مت کرو۔ بے شک اللہ تعالٰی اس شخص کی ملاقات کو پسند کرتا ہے جو اسکی ملاقات کو پسند کرے اور اس شخص کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے جو اسکی ملاقات کو ناپسند کرے)

ان مقدس کلمات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لقاء اللہ سے محبت اور شوق بہت اہم ، اعلیٰ اور پسندیدہ چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندگان خاص سے مخصوص ہے۔

اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر انسان کو کسی سے محبت ہو تو وہ ضرور اسکی ملاقات کا خواہش مند ہوتا ہے۔

اگر کسی کو لقاء اللہ کا شوق نہ ہو اور وہ لقاء اللہ کی راہ میں قدم نہ اٹھائے تو یقینی طور پر مادی دنیوی زندگی کی دلدل میں پھنس جائے گا۔ پس لقاء اللہ کا شوق پیدا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ انسان دنیوی آرزوؤں اور خواہشات کو کم کر دے اور مادی زندگی کی محبت کو اپنے دل سے نکال دے۔

رویت اور نظر کے بارے میں

جواہر السنیہ از شیخ حرعاملی۔ باب شعیب ۔ **بکی شعیب من حب اللہ عزوجل حتی عمی فرد اللہ علیہ بصرہ ثم بکی حتی عمی فرد اللہ علیہ بصرہ ثم بکی حتی عمی فرد اللہ علیہ بصرہ فلما کانت الرابعہ اوحی اللہ عزوجل الیہ یاشعیب الی متی یکون هذا ابدا منک ان یکن هذا خوفاً من النار فقد اجرتک وان یکن شوقا الی الجنتہ فقد ابحتک فقال الهی وسیدی انت تعلم انی مابکیت خوفاً من نارک ولا شوقاالی جنتک ولکن عقد حبک علی قلبی فلست اصبر اواراک۔**

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کی محبت میں اتنا روئے کہ نابینا ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ یہ واقعہ چار مرتبہ پیش آیا۔ چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کی طرف وحی کی کہ اے شعیب کب تک آپ یوں روتے رہیں گے۔ اگر اس رونے کی وجہ جہنم کا خوف ہے تو میں نے آپ کو اس سے پناہ دیدی اور اگر جنت کے لئے ہے تو میں نے آپ کے لئے مباح کر دی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے عرض کی اے میرے معبود تو خود جانتا ہے کہ میرا رونا جہنم کے خوف سے اور جنت کے لالچ میں نہیں ہے بلکہ تیری محبت میرے دل میں مضبوط ہو چکی ہے اور میں تیری رویت کے بغیر صبر نہیں کر سکوں گا)

کافی ۔ باب ابطال الرویت ۔ **وسالتہ هل رای رسول اللہ ربہ؟ فوقع (علیہ السلام) ان اللہ تبارک وتعالی ارای رسولہ بقلبہ من نور عظمتہ ما احب۔**

(راوی کہتا ہے میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کے قلب سے اپنے نور عظمت میں سے جو چاہا دکھایا)

ویروی ایضا ان حبر جاء الی امیر المومنین علیہ السلام فقال یا امیر المومنین هل رایت ربک حین عبدتہ قال ویلک ما کنت اعبد ربا لم اره قال و کیف رایتہ؟ قال ویلک لا تد ۔

رکہ العیون بمشاہدۃ الابصار ولکن راتہ القلوب بحقائق الایمان۔

(ایک یہودی عالم امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا آیا آپ نے عبادت کے وقت اپنے رب کو دیکھا ہے ؟ تو آپ ے فرمایا تم پروائے ہو ' میں اس رب کی عبادت نہیں کرتا جسے میں نے نہیں دیکھا۔ اس نے کہا آپ نے اسے کیسے دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ' آنکھیں ظاہری مشاہدے سے اسے نہیں دیکھ سکتیں بلکہ دل ایمان کی حقیقت سے اسے دیکھ چکے ہیں)

صحفیہ ثانیہ بحار الانوار ۱۹۔ مناجات خائفین ۔ از خمسہ عشرۃ۔

ولا تحجب مشتاقیک عن النظر الی جمیل رویتک۔

(اور اپنے مشاقوں کو اپنی جمیل رویت کی طرف نظر کرنے سے محجوب نہ کر)

اور مناجات عارفین میں ہے:۔

واطمانت بالرجوع الی رب الارباب انفسھم وقرت بالنظر الی محبوبھم اعینھم

(اور رب الارباب کی طرف رجوع سے ان کے نفس مطمئن ہو گئے اور اپنے محبوب کی طرف نظر سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں)

اور مناجات الذاکرین میں ہے:

ولاتسکن النفوس الاعندرئویاک

(اور نفوس تیری رویت کے بغیر سکون نہیں پاتے)

صحیفہ علویہ سماتجی مناجات شعبانیہ: **الھی ھب لی کمال الانقطاع الیک وانر ابصار قلوبنا بضیاء نظرھا الیک حتی تخرق ابصار القلوب حجب النور فتصل الی معدن العظمہ وتصیر اروحنا معلقہ بعز قدسک۔**

(اے میرے معبود مجھے اپنی طرف مکمل انقطاع عطا فرما اور اپنی طرف نظر کی روشنی سے ہمارے دلوں کی آنکھوں کو منور فرما یہاں تک کہ دلوں کی آنکھیں حجابہائے نور کو چیر کر عظمت کے سرچشمہ تک پہنچ جائیں اور ہماری روحیں تیری عزتِ قدس سے وابستہ ہو جائیں)

بے شک انسان کی روح اس وقت ہی رویت اور نظر میں کامیاب ہو سکتی ہے جب وہ غیراللہ سے مکمل طور پر منقطع ہو جائے اور اپنے سامنے سے تمام حجابات کو دور کر دے ' حتی کی حجبِ نور اور اس نورانیت کو بھی جو نفس سے وابستہ ہے ' یعنی جسے اپنے نفس کی طرف نسبت دی جاتی ہو ' اس لئے کہ خود نفس بھی حجاب بن جاتا ہے۔

کلی طور پر ' توجہ اور نظر کے مقام پر جو کچھ بھی غیرِ خدا ہے وہ حجاب ہے اور وجہِ خداوندی کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں ہونی چاہئے ' حتی کہ خود ناظر کا نفس بھی اپنی انانیت کو ترک کر دے۔

قرب کے بارے میں

جواہر سنیہ ۔ باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۸۹ ۔ ۔ **ماتقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضتہ علیہ وانہ لیتقرب الی بالنا فلہ حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ولسانہ الذی ینطق بہ ویدہ الذی یبطش بھا ان دعانی اجبتہ وان سالنی اعطیتہ۔**

(میرا بندہ فرائض سے بڑھ کر کسی چیز کے ذریعے مجھ سے قریب نہیں ہو سکتا اور بے شک وہ نوافل کے ذریعے بھی مجھ سے قریب ہو سکتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکا کان آنکھ ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ' دیکھتا ' بولتا اور عمل کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے پکارے تو میں اسے جواب دیتا ہوں اور مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں)

صحیفہ سجادیہ ثانیہ :۔ مناجات مریدین : **والی ھواک صبابتی ورضاک بغیتی ورویتک حاجتی وجودک طلبی وقربک غایہ سولی۔**

اور تیری طرف میرا جھکاؤ اور رجحان ہے ' تیری خوشنودی میرا مقصد ہے '

تیری رویت میری حاجت تیری سخاوت میری طلب اور تیرا قرب میری انتہائی خواہش ہے)

مناجات محبین میں ہے:۔ **ومن ذالذی انس بقربک فابتغی عنک حولا الھی فاجعلنا ممن اصطفیتہ لقربک۔**

(کون ہے جو تیرے قرب سے مانوس ہو اور پھر تجھ سے روگردان ہو جائے۔ اے میرے معبود مجھے ان لوگوں میں سے قرار دے جنہیں تو نے اپنے قرب کے لئے چن لیا ہے)

بے شک اللہ تعالی کی بارگاہِ عظمت وعزت میں قرب اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب وہ انسان کو اس اعزاز کے لئے چن لے اور انس بھی قرب اور رفع حجاب کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔

پس سالک پر لازم ہے کہ خالص اور دو ٹوک فیصلہ کے ساتھ قرب الہی کا خواہاں ہو اور اطاعت ' بندگی ' عبودیت ' فرائض کی ادائیگی اور نوافل کے ذریعے پیشرفت کرے اور رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اپنے مقصد کو پالے۔

انس اور وصل کے بارے میں:

توحید صدوق ۔ باب رویت ۔ **قلت لابی عبداللہ علیہ السلام جعلت فداک الغشیہ التی کانت تصیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولہ وسلم اذا انزل علیہ الوحی؟ فقال ذاک اذا لم یکن بینہ وبین اللہ احد ذاک اذا تجلی اللہ لہ قال تلک النبوۃ یا زرارہ واقبل بتخشع۔**

(زرارہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا میں آپ پر قربان ہو جاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے وقت جو غشی طاری ہوتی تھی وہ کیا تھی؟ فرمایا یہ صورت حال اس وقت رونما ہوتی تھی جب ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی نہ ہوتا تھا جس وقت اللہ کی عظمت کا نور متجلی ہوتا تھا

اور یہ نبوت ہے اے زرارہ۔ پھر آپ خشوع کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے)

امالی طوسی ۔ **عن ابی عبداللہ علیہ السلام :من اخرجہ اللہ من ذل المعصیتہ الی عز التقوی: اغناہ بلا مال واعزہ بلا عشیرۃ وانسہ بلا بشر ومن خاف اللہ اخاف منہ کل شی۔**

(حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالی گناہوں کی ذلت سے نکال کر تقوا کی عزت میں لے آئے تو وہ اسے مال کے بغیر غنی کر دیتا ہے ۔ قبیلہ کے بغیر عزت دیتا ہے اور کسی بشر کے بغیر اسے انس دیتا ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ ہر چیز کو اس سے ڈراتا ہے۔

نہج البلاغہ : امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں : **اللھم بلی لا تخلو الارض من قائم للہ بحجتہ اما ظاہر ..... وانسوا بما استو حش منہ الجاھلون وصحبوا الدنیا بابدان ارواحھا معلقہ بالملا الاعلی اولئک خلفاء اللہ۔**

(بے شک زمین ایسے قائم سے خالی نہیں ہو گی جو اللہ کی رضا کے لئے حجت کے ساتھ قیام کرے ' ظاہر ہو یا ... اور وہ اس چیز سے مانوس ہوئے جس سے جاہلوں کو وحشت ہوتی ہے ۔ وہ لوگ اس دنیا میں ان اجسام کے ساتھ رہتے ہیں جنکی ارواح عالم بالا سے وابستہ ہوتی ہیں یہ روئے زمین پر اللہ کے بنائے ہوئے خلفا ہیں۔

صحیفہ ثانیہ میں : دعائے تمجید میں ہے :**الحمد للہ الذی تجلی للقلوب بالعظمہ احتجب عن الابصار بالعزۃ۔**

(تمام حمد اللہ کے لئے ہے جو عظمت کے ساتھ قلوب پر متجلی ہے اور عزت کے ساتھ ظاہری نگاہوں سے پوشیدہ ہے)

صحیفہ علویہ سا بقی ۔ مناجات شعبان :**الھی والحقنی بنور عزک الابھج فاکون لک عارفاعن سواک منحرفا۔**

(اے معبود مجھے اپنی عزت کے شاداب نور سے ملحق کر دے تاکہ میں تجھ سے آشنا اور تیرے غیر سے منحرف ہو جاؤں اور دعائے کمیل میں ہے: **الٰہی وربی صبرت علی عذابک فکیف اصبر علی فراقک...... ولا بکین علیک بکاء الفاقدین**

(اے میرے معبود اور میرے رب میں تیرے عذاب پر تو صبر کر لوں گا مگر تیرے فراق پر کیسے صبر کروں گا.... اور تیری جدائی پر ایسے گریہ کروں گا جیسے اپنے عزیزوں کو کھو دینے والے روتے ہیں)

ہم یہاں اس رسالہ شریفہ کو ختم کرتے ہیں اور خدائے رحمٰن ورحیم سے التجا کرتے ہیں کہ اپنے فضل ' احسان اور رحمت سے ہم فقیر ' مجبور اور محجوب بندوں کو لقاء ' انس اور وصل کے حقائق سے آشنا اور بہرہ مند کر دے۔

اللھم صلی علی محمد سید رسلہ وعلی الہ الائمہ الا طھار۔

ناشر:
مجلسِ تعلیم القرآن
۱۴/۲۔ اے، جعفریہ کالونی، بند روڈ، لاہور